ہزار داستان



مجموعۂ کلام

فراقؔ گورکھپوری

ہزار داستان

(فراقؔ کے ایک ہزار منتخب اشعار)

آنے والی نسلیں تم پر رشک کریں گی ہم عصرو
جب یہ دھیان آئے گا اُن کو تم نے فراقؔ کو دیکھا تھا

فراق گورکھپوری کی دیگر کتب

ا۔ گلِ نغمہ

۲۔ روحِ کائنات

ہزار داستان

فراق گورکھپوری

مکتبہ اُردو ادب

بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور

ناشر.......... سرفراز احمد

مطبع.......... منظور پریس لاہور

قیمت.......... ۲۰/- روپے

پیش لفظ

آج ہندوستان ہو پاکستان میں کسی شاعر سے ہزارہا خواص اور لاکھوں عوام اپنے آپ کو جتنا قریب اور جس قدر مانوس فراقؔ اور اُن کی شاعری سے پاتے ہیں، اتنا قریب اور اس قدر مانوس کسی اور شاعر کے کلام سے نہیں پاتے۔ ہندو پاک کے کروڑوں نفوس کی دھڑکنیں فراقؔ کے اشعار کے زیر و بم میں سُنائی دیتی ہیں۔ فراقؔ کی شاعری ہماری زندگی اور ہمارے دلوں کا چور نکالتی ہے۔ ہماری دُکھی رگوں کو اس طرح چھیڑتی ہے کہ ہمیں ایک خاص سکون اور راحت کا احساس ہوتا ہے۔ فراقؔ نے اپنی شاعری میں درد کو راحت اور راحت کو درد بنا دیا ہے۔ یہ امتزاج سوا میرؔ کے تمام اُردو شاعری میں کسی اور شاعر کے یہاں ہمیں نہیں ملتا۔ اردو زبان کی تہوں میں داخل ہو کر فراقؔ کے فن کی جانی بوجھی الفاظ میں جو تھرتھراہٹیں چھپی ہوتی ہیں انہیں اپنے نغموں میں ان کی سچی جھنکار کے ساتھ پیش کر دیتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کی نبض پر انگلیاں رکھ دیتے ہیں اور اس نبض کی دھڑکن کو آواز میں منتقل کر دیتے ہیں۔ ہماری شخصیتیں اُن کی شاعری کی نرم آنچ میں تحلیل ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ فراقؔ کا پورا کلام محبت کی چمکار ہے۔ ایسی محبت کی چمکار جو صرف وقتی جذبات کی اُبال نہیں ہے۔ بلکہ جو فطرتِ انسانی بلکہ حقیقت کے عناصر سے عبارت ہے۔ یہ شاعری بلند ترین، پاکیزہ ترین، حساس ترین اور معصوم ترین انسانیت کا سبق ہمیں دیتی ہے۔ فراقؔ نے اُردو کی آواز کو اتنا رچایا اور نرمایا ہے۔ اُسے اِتنا مدھم اور گونج دار بنا دیا ہے کہ اُن کے اشعار پر ناقابلِ فراموش ہونے کی صفت گویا اپنی مہریں لگا دیتی ہے۔ خود فراقؔ کا شعر ہے ؎

میں نے اِس آواز کو پالا ہے مَر مَر کے فراقؔ
آج جس کی نرم لَو ہے شمعِ محرابِ حیات

یہ مجموعہ "ہزار داستان" کے نام سے فراق کے ان اشعار کا گلدستہ ہے جن میں فراق کی شاعری کا عطر کھنچ آیا ہے۔ اگر فراق صرف یہی ایک ہزار اشعار اپنی یادگار چھوڑ جاتے تب بھی جب تک اُردو زبان قائم ہے دُنیا اُن کے نام کو نہ بھُلاتی۔

دوسرے بڑے شاعروں کا ہم احترام کرتے ہیں۔ فراق کی ذاتی اور شاعرانہ شخصیت وہ تنہا شخصیت ہے جس سے کروڑوں آدمی دل کھول کر پیار کرتے ہیں اور ہمیشہ پیار کرتے رہیں گے۔ فراق کو اپنے پیار کا خراج دیتے رہنے سے ہم کبھی انکار نہیں کر سکیں گے۔ بقول میر

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سُنیے گا
پڑھتے کسو کو سُنیے گا تو دیر تلک سر دُھنیے گا

فراق کی شاعری پیار و محبت اور انسانیت کی آواز سے گونجتی ہوئی وہ دنیا ہے جہاں ہندی اور اُردو کا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اور جہاں ہندی اور اُردو کی آوازیں مل کر ایک آواز بن جاتی ہیں۔ اب اس مجموعے کے ایک ایک شعر کو آپ پڑھیئے اور دیر تک ان میں ڈوب جایئے۔

شمیم حنفی

سازِ وہ قطرے قطرے میں سوزِ وہ ذرے ذرے میں
یاد تری کسے نہ تھی درد ترا کہاں نہ تھا

سوزِ نہاں میں وہ قرارِ قلبِ تپاں میں وہ صفا
شعلہ تو تھا تڑپ نہ تھی آگ تو تھی دھواں نہ تھا

کس کے حواس تھے بجا کون تھا اپنے ہوش میں
وقت بیانِ غم کوئی مائلِ داستاں نہ تھا

عشق نے اپنی جان کو روگ کئی لگا لئے
ہجر و وصال امید و بیم کون وبالِ جاں نہ تھا

اب نہ وہ پرسشِ کرم اب نہ وہ چشم آشنا
شکوۂ عشق برطرف تجھ سے تو یہ گمان نہ تھا

پھر بھی سکونِ عشق پر آنکھ بھر آئی بارہا
گو غمِ ہجر بھی فراق کچھ غمِ جاوداں نہ تھا

کھلا ہے ہوش میں آکر فریبِ بادہ کشی — سیاہ کاروں کے دامن کو داغ بھی نہ ملا

نگاہِ مست وہاں لے گئی محبت کو — جہاں کا ہوش و جنوں کو سُراغ بھی نہ ملا

یہ جوشِ مے، یہ بھرا میکدہ، یہ ابر، یہ باد — زہے نصیب! کہ خالی ایاغ بھی نہ ملا

اس اضطراب میں رازِ فروغ پنہاں ہے — طلوعِ صبح کے مانند تھرتھرائے جا

نگاہِ ناز ترا یوں تو ہے پیام کچھ اور — مگر کرم بھی کئے جا ستم بھی ڈھائے جا

مٹا مٹا کے محبت سنوار دیتی ہے
بگڑ بگڑ کے یوں ہی زندگی بنائے جا

پھر اپنے ناز بھی اُٹھتے نہیں محبت سے — ابھی تو ایک زمانے کے ناز اُٹھائے جا
فراقؔ چھیڑ دیا تونے کیا فسانۂ درد — سمجھ میں کچھ نہیں آتا مگر سُنائے جا

فراقؔ سا کوئی وہ تیری انجمن میں کون تھا
وہ درد کچھ اُٹھا اُٹھا وہ رنگ کچھ اُڑا اُڑا

جو اہلِ دل کی جان ہیں وہ اور ہیں کرم ستم
یہ کیا کہ باتوں باتوں میں ہنسا دیا رُلا دیا

ازل سے جو نہ مٹ سکی وہ بے کسی تھی عشق کی
تری نگاہِ لطف نے ہزار آسرا دیا

وہ سوز و درد مٹ گئے وہ زندگی بدل گئی
سوالِ عشق ہے ابھی یہ کیا کیا؟ یہ کیا ہوا؟

فسردگیٔ عشق بجلیوں کی رَو میں آگئی
مجھے اُداس دیکھ کر کون مُسکرا دیا

ہیں یوں تو بے نیازیوں کو تیری لاکھ مشغلے
جو ہو سکے تو اہلِ درد کو بھی یاد آئے جا

مجھے بھی یاد ہیں وہ شامِ ہجر کی حکائتیں
وہ درد سا رُکا رُکا وہ اشک سا تھما تھما

گلوں کی جلوہ گاہِ ناز میں نہ ڈھونڈ اب مجھے
میں نقش تھا مٹا دیا، چراغ تھا بجھا دیا

انہیں سے اُٹھ رہے ہیں شعلۂ نوائے سرمدی
بس ایک سوزِ بے اثر بس ایک سازِ بے صدا

دلِ سوزاں سے ہے پُر نور شبستانِ وجود عشق پھر شمع محراب جہاں ہے کہ جو تھا

منزلیں گرد کے مانند اُڑی جاتی ہیں وہی اندازِ جہانِ دگراں ہے کہ جو تھا

ظلمت و نور میں کچھ بھی نہ محبت کو ملا آج تک ایک دھندلکے کا سماں ہے کہ جو تھا

تیرہ بختی نہیں جاتی دلِ سوزاں کی فراقؔ
شمع کے سر پہ وہی آج دھواں ہے کہ جو تھا

عشق افسردہ نہیں آج بھی افسردہ بہت وہی کم کم اثرِ سوزِ نہاں ہے کہ جو تھا

حسن کو کھینچ تو لیتا ہے ابھی تک لیکن وہ اثر جذبِ محبّت میں کہاں ہے کہ جو تھا

آج بھی صید گہِ عشق میں حسنِ سفاک لئے ابرو کی لچکتی سی کماں ہے کہ جو تھا

آج بھی آگ دبی ہے دلِ انساں میں فراقؔ
آج بھی سینوں سے اُٹھتا وہ دھواں ہے کہ جو تھا

یہ رنگ بزمِ نشاطِ ہستی کرشمہ ہے حسنِ شادماں کا
کھُلیں گے رازِ حیات جس سے وہ عشقِ غم دوست دار ہوگا

یہ دھندلی پرچھائیاں ہیں جس کی دبی دبی گرمیاں ہیں جس کی
وہ شب قیامت کی رات ہوگی وہ روز روزِ شمار ہوگا

منازلِ ارتقا کے دھوکے زمانہ پہلے بھی کھا چکا ہے
کسی کو جس کی خبر نہیں ہے وہ انقلاب ایک بار ہوگا

خیال کو بے اثر نہ سمجھو، عمل کی چنگاریاں ہیں اس میں
کہ آج ظلمت سرائے دل میں جو نور ہے کل وہ نار ہوگا

ایک دل اور فسردہ فسردہ　　ایک چراغ اور بجھا بجھا سا

آج نہ جانے کیوں ہوتا ہے　　دِل میں درد ہلکا ہلکا سا

اُف یہ خرامِ حسن کا عالم　　جامِ حسن چھلکا چھلکا سا

آہ، وہ عالمِ حسن، وہ جب ہو　　نیند سے کچھ جاگا جاگا سا

عشقِ فراق یہی تو نہیں ہے؟
دل میں کھٹکتا ہے کانٹا سا

نہ ذکرِ موجِ فنا کر کہ غم کے بیڑوں کو　　گدازِ سینۂ ساحل ڈبو چکا کب کا

وہی ہے ٹیس وہی سینۂ فضا کی شکست　　دلِ خراب محبّت میں رو چکا کب کا

کوئی کہاں تک اب اپنی ہی جان کو روئے　　یہ سانحہ تو محبت میں ہو چکا کب کا

ترا وصال بڑی چیز ہے مگر اے دوست
وصال کو مری دنیائے آرزو نہ بنا

خیالِ گیسوئے جاناں کی وسعتیں مت پوچھ
کہ جیسے پھیلتا جاتا ہو شام کا سایا

یہاں تو نبضِ زمان و مکاں بھی دُوری ہے
ترا جنونِ محبت مجھے کہاں لایا

یہ زندگی کے کڑے کوس یاد آتا ہے
تری نگاہِ کرم کا گھنا گھنا سایا

بغیر علم بھی جیسے ہوائیں چلتی ہے
یونہی کچھ اہلِ محبت کو یاد آئے جا

تبسم بھی شبنم سے ہو نرم جس کا قیامت ہے اس آنکھ کا ڈبڈبانا

وہ پنہاں خلش کون تھی جس کی خاطر عدم کو پڑا نازِ ہستی اُٹھانا

محبت میں ایسا بھی اکثر ہوا ہے تجھے پردۂ یاد میں بھول جانا

تھی یوں تو شامِ ہجر مگر پچھلی رات کو
وہ دردِ اُٹھا فراق کہ میں مسکرا دیا

آج تو دردِ ہجر بھی کم ہے آج تو کوئی آیا ہوتا

میں ہوں، دل ہے، تنہائی ہے تم بھی جو ہوتے اچھا ہوتا

ہم جو تجھے کچھ بھول بھی جاتے   دردِ محبت دونا ہوتا

حسن کی خود شناسیاں عشق کی بے خودی میں تھیں
تجھ کو حریمِ ناز میں میں نے ترا پتا دیا

ذرّوں میں کائنات کے پہلے یہ تھرتھری نہ تھی
کِس نے دلِ وجود کو رازِ عدم بتا دیا

یوں تو ترا ستم بھی تھا وجہ نشاطِ زندگی
یوں تو ترے کرم نے بھی غم دیا ، بارہا دیا

آہ کسی سے چھوٹ کے وقت کی تیرہ بختیاں
غم کی شبِ دراز نے صُبح کا واسطا دیا

حُسن کے ہر تپاک میں جذب تھیں لاکھوں غفلتیں
کون کسی کو یاد تھا کِس نے کسے بُھلا دیا

ہجر کی شب ترس گئی یوں تو ترے پیام کو
آج مگر فسانۂ دار و رَسن سُنا دیا

اور نگاہِ شوق ہو صرفِ جمال کس طرح　　تیری قسم تجھی پر آج میں نے تجھے لٹا دیا

عشق کی کس اپرسیاں چونک اُٹھیں تڑپ اُٹھیں　　تو نے عجب ادا سے آج درد کا آسرا دیا

موجِ تبسمِ نہاں! جس نے سکونِ عشق کا　　سلسلۂ دراز غم اور بھی کچھ بڑھا دیا

ریاضِ دہر میں جھوٹی ہنسی ہم نے بھی دیکھی ہے
گلستاں در بغل ہر غنچہ خنداں نہیں ہوتا

سکوں نا آشنا رہتے ہیں رو کر بھی ترے وحشی　　کہ دامانِ بیاباں دامنِ جاناں نہیں ہوتا

ہم آغوشی بھی چٹکی سی لئے جاتی ہے سینے میں　　کہ یہ ارمان بھی نکلا ہوا ارماں نہیں ہوتا

کبھی پابندیوں سے چھٹ کے بھی دم گھٹنے لگتا ہے　　در و دیوار ہوں جس میں وہی زنداں نہیں ہوتا

نگاہِ شوق سب کچھ دیکھتی ہے پردے پردے میں　　کہاں نظارۂ شمع تہِ داماں نہیں ہوتا

یہ وہ پردہ ہے جو دوشیزگی کو اور چمکا دے　　سیہ کاری سے حسن آلودۂ عصیاں نہیں ہوتا

شکایت پر نگاہیں شبنمستاں در کنار اُٹھیں　　سکوں یا اضطراب ایسے میں کچھ آساں نہیں ہوتا

فراقؔ اک اک سے بڑھ کر چارہ سازِ درد ہیں لیکن
یہ دنیا ہے یہاں ہر درد کا درماں نہیں ہوتا

سازِ ہستی دیر سے افسردہ ہے　　سوزِ غم ہائے نہانی پھر سُنا!

پھر سکونِ نیستی ہے بے قرار　　دردِ ہستی کی کہانی پھر سُنا!

پھر نگاہوں سے پیامِ مرگ دے　　رازِ عمرِ جاودانی پھر سُنا!

موت سے سرگوشیاں ہیں رات کی　　داستانِ زندگانی پھر سُنا!

محبت میں مری تنہائیوں کے ہیں کئی عنواں
ترا آنا، ترا ملنا، ترا اُٹھنا، ترا جانا

کیا انقلاب لے دل ناشاد ہو گیا　　مجبور ہو کے اُن سے میں آزاد ہو گیا

یہ نکہتوں کی نرم روی، یہ ہوا، یہ رات　　یاد آ رہے ہیں عشق کو ٹوٹے تعلقات

مایوسیوں کی گود میں دم توڑتا ہے عشق　　اب بھی کوئی بنا لے بگڑی نہیں ہے بات

اک عمر کٹ گئی ہے ترے انتظار میں　　ایسے بھی ہیں کہ کٹ نہ سکی جن سے ایک رات

ہم اہلِ انتظار کے آہٹ پہ کان تھے　　ٹھنڈی ہوا تھی، غم تھا ترا، ڈھل چلی تھی رات

یوں تو بچی بچی سی اُٹھی وہ نگاہِ ناز　　دنیائے دل میں ہو ہی گئی کوئی واردات

اُس جا تری نگاہ مجھے لے گئی جہاں لیتی ہو جیسے سانس یہ بے جان کائنات

ہم اہلِ غم نے رنگِ زمانہ بدل دیا کوشش تو کی سبھی نے مگر بن پڑے گی بات

زندگی کو بھی مُنہ دکھانا ہے
رو چکے تیرے بے قرار بہت

آ ہی جاتی ہے مگر پھر بھی مٹے درد کی یاد
گرچہ ہے ترکِ محبّت میں بھی آرام بہت

دل ہی دل میں کوئی رہ رہ کے جھجک اُٹھتا ہے
سنتے ہیں عشق زمانے میں ہے بدنام بہت

اور بھی کام ہیں دنیا میں غمِ اُلفت کو
اس کی یاد اچھی نہیں اے دلِ ناکام بہت

لاکھوں پیغامِ فنا، لاکھوں تقاضائے بقا
زندگی ہے تو محبّت کے لئے کام بہت

عشق آغاز ہی آغاز سراسر نکلا
آہ، وہ دل کہ رہا مائلِ انجام بہت

چھڑ گئی اُن آنکھوں کی بات　　دنیا میں اب دن ہے نہ رات

گھٹتے گھٹتے کٹتی ہے　　گھٹتی بڑھتی بیوگ کی رات

کھڑی دوپہر گورا رُوپ　　کالے بال بھری برسات

اچھی نہیں اس زلف کی یاد　　ڈس نہ لے تجھ کو رات برات

کل اس کے حسن کے جلوے بھی ہو رہیں گے نصیب
جو سوزِ عشق سے بے تاب شعلہ دار ہے آج

کچھ آ چلا غمِ فرقت میں رنگ بے خبری
ترا بھی ہوش بہ اندازۂ خمار ہے آج

نثار پرسشِ غم کے ترے کرم کے نثار
نہ جانے کیوں دلِ افسردہ بے قرار ہے آج

یہ تیری رنجشِ بے جا ہر ایک کی جان سے دور
حریمِ ناز میں جو ہے گنہگار ہے آج

نہ بے خبر ہے نہ ہشیار، شرمگیں ہے نہ شوخ
عجیب کیفیتِ چشمِ مستِ یار ہے آج

نہ کوئی وعدہ ، نہ کوئی یقیں نہ کوئی اُمید
خبر نہیں مجھے کیوں تیرا انتظار ہے آج

ثوابِ خلدِ بریں کیا عذابِ دوزخ کیا
ترے خطاب کی ٹھنڈک ترے عتاب کی آنچ

چڑھا کے ساغرِ مے جگمگا اُٹھے چہرے
سمٹ کے آگئی سینوں میں آفتاب کی آنچ

یہ آگیا ہے یہاں کون کافرِ معصوم
کہ ٹھنڈی پڑ گئی دوزخ کے بھی عذاب کی آنچ

یہ رات آگ لگا دے کہیں نہ دنیا میں
یہ چاندنی ، یہ ہوائیں ، یہ ماہتاب کی آنچ

فراقؔ وقت کے رُخ سے اُلٹ رہی ہے نقاب
زمیں سے تا بہ فلک ہے اس انقلاب کی آنچ

سنگ و آہن بے نیازِ غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار

بھولتے ہیں یوں بھی پیمانِ وفا
یاد کر کچھ اے نگاہِ شرمسار

عشق کو اِتنا ہے کیوں نازِ جنوں ‏ ‏ حسن بھی ہوتا رہا ہے سنگسار

عشق سرتاپا سکونِ دائمی ‏ ‏ عقل کے ہاتھوں گریباں تارتار

اس نگاہِ ناز کا عالم نہ پوچھ ‏ ‏ جس میں خوابیدہ ہے دَورِ روزگار

ہر اَدا میں عالمِ صبحِ وِصال ‏ ‏ ہر نگہ میں کیفِ شامِ انتظار

سادگی میں جلوۂ صبحِ ازل ‏ ‏ شوخیوں میں گرمیٔ روزِ شمار

فتنے اُٹھتے ہیں ازل سے تا ابد ‏ ‏ زندگی کس شوخ کی ہے رہگذار

چونک اٹھی ہے بے نیازی عشق کی ‏ ‏ آج تُو یاد آگیا بے اختیار

ہے عجب تیری محبت بھی فراقؔ ‏ ‏ بے خبر، بیگانہ وَش، دیوانہ وار

کچھ نہیں ناکامیاں خوش کامیاں ‏ ‏ اک فسانہ ہے یہ جبر و اختیار

ایک عالم ہے سکونِ شامِ ہجر ‏ ‏ آگیا چلتی ہواؤں کو قرار

حُسن کی انگڑائیاں یاد آگئیں ‏ ‏ جیسے ٹوٹے بادۂ غم کا خمار

یوں بھی دیکھا ہے فراقِؔ زار کو ‏ ‏ آنکھ پُرنم ہاتھ میں دامانِ یار

مری غزل میں ملے گا تجھے وہ عالم راز
جہاں ہیں ایک ازل سے حقیقت اور مجاز

ہوائیں نیند کے کھیتوں سے جیسے آتی ہوں
یہاں سے دُور نہیں ہے بہت وہ مقتلِ ناز

یہ جنگ کیا ہے لہو تھوکتا ہے نظم کہن
شگوفے اور کھلائے گا وقت شعبدہ باز

ازل سے سینۂ جبریل جس سے ہے محروم
قفس میں پال رہا ہوں وہ حسرتِ پرواز

دیکھ رفتار انقلاب فراقؔ
کتنی آہستہ اور کتنی تیز

کیا یہ بے تابیِ خطاب و کلام
زندگی خود ہے اِک پیام خموش

دن کے ہنگامے ایک شورشِ غیب
رات کی خامشی پیام سروش

جلوۂ مہر انقلابِ نہ پوچھ
اُڑ گئے ظلمتِ حیات کے ہوش

یہ نرم نرم ہوا جھلملا رہے ہیں چراغ
ترے خیال کی خوشبو سے بس رہے ہیں دماغ

دلوں کو تیرے تبسم کی یاد یوں آئی
کہ جگمگا اُٹھیں جس طرح مندروں میں چراغ

"نئی زمین ، نیا آسماں ، نئی دنیا"
سُنا تو ہے کہ محبت کو ان دنوں ہے فراغ

جو چھُپ کے تاروں کی آنکھوں سے پاؤں دھرتا ہے
اسی کے نقشِ کفِ پا سے جل اُٹھے ہیں چراغ

دلوں میں داغِ محبت کا اب یہ عالم ہے
کہ جیسے نیند میں ڈوبے ہوں پچھلی رات چراغ

فراقؔ بزمِ چراغاں ہے محفلِ رنداں
سجے ہیں پگھلی ہوئی آگ سے چھلکتے ایاغ

جمالستانِ عالم میں بھی کیا عالم نکلتا ہے
رہے اس پردۂ رنگین میں حسن پردہ در کب تک

نظامِ دہر بدلے ، آسماں بدلے زمیں بدلے
لئے بیٹھا رہے کوئی حیات بے اثر کب تک

تیری ادا ادا سے ہم آہنگ ہوں مگر
دل بے قرار عرضِ تمنا ہے آج تک

اس ایک دورِ جام کو مدّت گذر گئی
دل پر تری نگاہ کا دھوکا ہے آج کب تک

یوں تو اُداس غم کدۂ عشق ہے مگر
اس گھر میں اک چراغ سا جلتا ہے آج تک

ویرانیاں جہان کی آباد ہو چکیں
جُز اک دیارِ عشق، کہ سونا ہے آج تک

عدم کی منزلیں بھی آ گئیں زیرِ قدم لیکن
زمیں سے اُٹھ رہا ہے کاروانوں کا دھواں اب تک

نظر کا آنسوؤں میں مسکرانا دل نہیں بھولا
چراغِ خانہ ہے آزردگیِ شادماں اب تک

غمِ دَوراں کا بس نام آگیا تھا باتوں باتوں میں
فراؔق اہلِ وفا سے وہ نظر ہے بدگماں اب تک

وبالِ دوش سے کچھ ہو چلے ہیں اِن فضاؤں میں
مری پرواز میں حائل رہیں گے بال و پر کب تک

کہاں کا وصل و فرقت عشق ہے بس منتظر اس کا
حجابِ حسن بڑھ کر حسن کا ہو پردہ در کب تک

عنایت کی، کرم کی، لطف کی آخر کوئی حد ہے
کوئی کرتا رہے گا چارۂ زخمِ جگر کب تک

فراؔق ایامِ فرقت کی درازی بھی تو دھوکا ہے
سحر بے شام کی کب تک یہ شام بے سحر کب تک

حُسن ہے دریا عشق ہے شعلہ   پانی میں لگ جائے نہ آگ
آتے ہی جل اُٹھے چراغ   رُوپ ہے تیرا دیپک راگ

یہ دھڑکتا ہے دل کہ سینے میں
کوندتی ہے کسی کی برقِ جمال

اب کہاں وہ جمال چشم افروز
صحبتیں ہوگئیں وہ خواب وخیال

سوتی قسمت چونک اُٹھی ہے
تو بولا یا جادو بولا

عنبریں زلف میں سمٹ آیا   مہکی راتوں کے راز کا عالم
نرم دوشیزگی نگاہوں کی   ایک مانوس راز کا عالم

میں آسمانِ محبت سے رُخصتِ شب ہوں
ترا خیال کوئی ڈوبتا ستارا ہے

کچھ اشارے تھے جنہیں دنیا سمجھ بیٹھے تھے ہم
اس نگاہِ آشنا کو کیا سمجھ بیٹھے تھے ہم

رفتہ رفتہ غیر اپنی ہی نظر میں ہو گئے
واہ ری غفلت تجھے اپنا سمجھ بیٹھے تھے ہم

کان بجتے ہیں محبّت کے، سکوتِ ناز کو
داستاں کا ختم ہو جانا سمجھ بیٹھے تھے ہم

ایک دنیا درد کی تصویر نکلی، عشق کو
کوہ کن اور قیس کا قصّہ سمجھ بیٹھے تھے ہم

رفتہ رفتہ عشق مانوسِ جہاں ہوتا چلا
خود کو تیرے ہجر میں تنہا سمجھ بیٹھے تھے ہم

دل کے درد کا ہے یہ عالم ٹھہرا ٹھہرا پیہم پیہم

رنگ ہے کس کا روپ ہے کس کا نکھرا نکھرا مبہم مبہم

ہم نے بھی آج فراق کو دیکھا
سوزِ مکمّل دردِ مجسّم

یہ بھی فسانہ وہ بھی کہانی کیا شب وصل اور کیا شب ہجراں

حسن و عشق سے یکساں وحشت یہ بھی گریباں وہ بھی گریباں

عمر فراقؔ نے یوں ہی بسر کی
کچھ غم جاناں، کچھ غم دوراں

وہ پچھلی شب نگہ نرگس خمار آلود
کہ جیسے نیند میں ڈوبی ہوئی ہو چندر کرن

بہار لٹتی تھی مٹھی میں کل گلستاں تھا
میں غنچے غنچے میں کرتا رہا ہوں سیرِ چمن

رُکی رُکی سی یہ آزردگی قیامت ہے
یہ کیا ادائیں ہیں تیری نہ کھل کے روٹھ نہ من

یہ کاروانِ زمانہ چلے ہی جاتا ہے
نہ خوفِ شامِ غریباں نہ فکرِ صبحِ وطن

سب کی حالت ایک ہے ناداں کون ہے غمگین کون ہے شاداں

بزم چراغاں بھی تاریکی تاریکی بھی بزم چراغاں

چڑھتی چلی ہے حسن کی قیمت جنسِ حسن ہے ارزاں ارزاں

شام بھی تھی دُھواں دُھواں حسن بھی تھا اُداس اُداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آکے رہ گئیں

مجھ کو خراب کر گئیں نیم نگاہیاں تری
مجھ سے حیات و موت بھی آنکھیں چُرا کے رہ گئیں

تیرے خرامِ ناز سے آج وہاں چمن کھلے
فصلیں بہار کی جہاں خاک اُڑا کے رہ گئیں

سازِ نشاطِ زندگی آج لرز لرز اُٹھا
کس کی نگاہیں عشق کا درد سُنا کے رہ گئیں

تم نہیں آئے اور رات رہ گئی راہ دیکھتی
تاروں کی محفلیں بھی آج آنکھیں بچھا کے رہ گئیں

جھوم کے پھر چلی ہوائیں وجد میں آئیں پھر فضائیں
پھر تری یاد کی گھٹائیں سینوں پہ چھا کے رہ گئیں

اُمید و یاس ، وفا و جفا ، فراق وصال
مسائلِ عشق کے ان کے سوا کچھ اور بھی ہیں

ہماری زندگیِ عشق کا وہ پہلا خواب
تمہیں بھی بھول چکا ہے ہمیں بھی یاد نہیں

ہر انقلاب کے بعد آدمی سمجھتا ہے
کہ اس کے بعد نہ پھر لے گی کروٹیں یہ زمیں

انہیں فضاؤں میں تو انقلاب پلتا ہے
زمین بپھری ہوئی آسماں بھی چیں بہ جبیں

یہ تیرا شعلۂ آواز ہے کہ دیپک راگ
قریب و دُور چراغ آج ہو گئے روشن

جدھر نگاہ کریں سیرِ شبنمستاں ہے
فراقِ حسنِ جہاں پر ہے آنسوؤں کا کفن

ہزار شکر کہ مایوس کر دیا تو نے
یہ اور بات کہ تجھ سے بھی کچھ اُمیدیں تھیں

چراغ دیدۂ دل ہے سوادِ منزلِ دوست
یہ روشنی بھی دھواں بن کے اُڑ نہ جائے کہیں

کبھی کبھی تو میں سوچا کیا منزر اے دوست
یہی کہ تجھ سے محبّت کی کچھ اُمیدیں تھیں

تھی شہر شہر زمانے میں جن کی رسوائی
فراقؔ تھے وہی ناموس زندگی کے امیں

اب کہاں عشق جا کے جان بچائے
موت کے مُنہ میں بھی پناہ نہیں

تاریخ زندگی کے سمجھ کچھ محرکات
مجبور اتنی عشق کی بے چارگی نہیں

عشرت کی ٹکسالوں میں کھری رقم کی قید نہیں
لوگ جنہیں کہتے ہیں کھرا دیکھ تو کھوٹے سکّے ہیں

جو بھولتی بھی نہیں یاد بھی نہیں آتیں
تری نگاہ نے کیوں وہ کہانیاں نہ کہیں

بس اک فسانہ بہ اندازِ عشق و شانِ جمال
بس ایک خوابِ پریشاں یہ شورشِ تمکیں

نیا زمانہ ، نئی زندگی ، نئی دنیا
نئے سرے سے بنیں حسن و عشق کے آئیں

نگاہِ ناز ! تری کافری کو پا نہ سکے
ہزاروں قبلۂ ایماں ، ہزاروں کعبۂ دیں

ہم غم زدوں کی گفتگوئے تلخ پر نہ جا
قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں

نیند آچلی ہے انجمِ شامِ ابد کو بھی
آنکھ اہلِ انتظار کی اب تک لگی نہیں

شامیں کسی کو مانگتی ہیں آج بھی فراقؔ
گو زندگی میں یوں مجھے کوئی کمی نہیں

اب تو ہم ہیں اور بھری دنیا کی ہیں تنہائیاں
یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں

اے ترے غم کے میں صدقے ڈوبتے جاتے ہیں دِل
بڑھتی جاتی ہیں حیاتِ عشق کی گہرائیاں

چپکے چپکے اُٹھ رہا ہے مدھ بھرے سینوں میں درد
دھیمے دھیمے چل رہی ہیں عشق کی پُروائیاں

اب تو غم سے غم خوشی سے بھی خوشی ہوتی نہیں
کیا ہوئیں اے عشق تیری وہ نشاط آرائیاں؟

دیکھ جب عالم یہ ہے حسنِ خمار آلود کا
پچھلے کو لیتی ہے جیسے کائنات انگڑائیاں

یقیں یہ ہے حقیقت کھل رہی ہے
گماں یہ ہے کہ دھوکے کھا رہا ہوں

جو اُلجھی تھی کبھی آدم کے ہاتھوں
وہ گتھی آج تک سُلجھا رہا ہوں

تجھ سے حجاب کیا مگر اے ہم نشیں نہ پوچھ
اس دردِ ہجر کو جو شبِ غم اٹھا نہیں

میں کامیابِ دید بھی ناکامِ دید بھی
ہوتا ہے جب وہ سامنے کچھ سوجھتا نہیں

یہ ہو نہ ہو فراقؔ کی ہیں کیف باریاں
ایسا غزل سرا کوئی اب دوسرا نہیں

نگاہِ یار تیرے چھیڑنے کی اور بات ہے
ملول بھی کہاں ہوں میں اگرچہ شادماں نہیں

بس اک عشقِ مضطرب کی جھلکیاں جہاں میں ہیں
یہ گردشِ زمیں نہیں یہ دورِ آسماں نہیں

تمام سوزِ عشق ہے تمام سازِ حُسن ہے
اک اِضطراب اک سکوں کسے نہیں کہاں نہیں

فرشتوں کے بھی اس کی سادگی پہ ہوش اُڑ گئے
وہی حیاتِ عشق جس کا کوئی رازداں نہیں

کیا ہے سیرِ گہہِ زندگی میں رُخ جس سمت
ترے خیال سے ٹکرا کے رہ گیا ہوں میں

زمیں جاگ رہی ہے کہ انقلاب ہے کل
وہ رات ہے کوئی ذرّہ بھی محوِ خواب نہیں

نہ ہو جو میکدہ بر دوش کیا وہ مستی و کیف
جو اک جہاں پہ نہ چھا جائے وہ سحاب نہیں

ابھی کچھ اور ہو اِنسان کا لہو پانی
ابھی حیات کے چہرے پہ آب و تاب نہیں

شکستِ رنگِ رُخِ روزگار دیکھ فراقؔ
وہ مہر و ماہ کے چہرے پہ آب و تاب نہیں

لطف و ستم، وفا جفا، یاس و امّید و قرب و بعد
عشق کی عمر کٹ گئی چند توہمات میں

اس رہگذار پر ہے رَواں کاروانِ عشق
کوسوں جہاں کسی کو خود اپنا پتہ نہیں

ابھی فطرت سے ہونا ہے نمایاں شانِ انسانی
ابھی ہر چیز میں محسوس ہوتی ہے کمی اپنی

وہ نوبہار ناز اُٹھا فضائے صبح جاگ اُٹھی
وہ تازگی وہ حُسن وہ نکھار وہ صباحتیں

کچھ اب تو رنگ لا رہا ہے عشق بے نیاز بھی
سُنا ہے بے قرار ہو چلیں جہاں کی غفلتیں

رہ طلب کی اُف وہ دلفریبیاں وہ سختیاں
بڑے بڑے سے حوصلے چھوٹی چھوٹی سی ہمتیں

ہم تو کہتے ہیں وہ خوشی ہی نہیں
جس میں غم کا کچھ اِمتزاج نہیں

تجھ سے چھٹ کر بڑی فراغت ہے
اب مجھے کوئی کام کاج نہیں

کرم سِتم کا ذکر کیا کہ انتہا تو ہو گئی
نہ زندگی میں یہ تڑپ نہ موت میں یہ راحتیں

صبر و سکوں میں بھی لازم ہے ایک پھُریری سی آ جانا
اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، کچھ گھبرا گھبرا سا اٹھا ہوں

آج کچھ آہٹ سی دِلوں کو ملی — مدتوں ویران تھیں یہ بستیاں

خامشیِ غم پہ زمانے کے کان — کوئی فسانہ نہ کوئی داستاں

تاروں کی کچھ سرکی ہوئی چھاؤں میں — ٹوٹتی ہیں حُسن کی انگڑائیاں

پوری اکائی ہے محبّتِ فراق — بحثِ جزو کل نہیں چلتی یہاں

جس سے لہو تھوکتا نظمِ کہن — سینے میں وہ نشترِ غم ہے رواں

اپنی جگہ عشق اُجڑتا رہا — اپنی جگہ بستی رہیں بستیاں

رات کی آنکھیں بھی جھپکنے لگیں
کون سنے درد بھری داستاں

جو دل و جگر میں اُتر گئی وہی کام اپنا جو کر گئی
وہ کہاں کسی نظر گئی یہ سوال زخمِ نہاں کے ہیں

یہ وصال و ہجر کی شام کیا یہ فریب جذبۂ خام کیا؟
ہمیں حسن و عشق سے کام کیا کہ ہم اپنے جذبِ نہاں کے ہیں

یہ بھی سچ ہے کہ محبت پہ نہیں میں مجبور
یہ بھی سچ ہے کہ ترا حُسن کچھ ایسا بھی نہیں

یوں تو ہنگامے اُٹھاتے نہیں دیوانۂ عشق
مگر اے دوست کچھ ایسوں کا ٹھکانہ بھی نہیں

تو مہرباں ہے میں بے حسی کی اِک تصویر
یہ رُوح کی ہے تھکاوٹ کہ جسم کی ہے تکان

وہ طلسمِ چمن آرائی دل بھی ٹوٹے وہ فریبِ خلشِ خار تمنا بھی نہیں

ہائے وہ رازِ محبت جو چھپائے نہ بنے ہائے وہ داغِ محبت جو ابھرتا بھی نہیں

فراق گریۂ غم ختم کر کے صبح ہوئی
شبِ فراق کی وہ پردہ پوشیاں نہ رہیں

منزلیں دور سے چمکتی تھیں　　کھو گئیں آ کے کاروانوں میں

زخمِ دل سے چراغ جلتا ہے　　اہلِ دل کے سیاہ خانوں میں

کیف کیا کیا دلوں کو ملتا ہے　　عشق کے بے کہے فسانوں میں

تن رہی ہیں بھنویں زمانے کی　　تھرتھری سی ہے کچھ کمانوں میں

موت کے بھی اڑے ہیں ہوش اکثر　　زندگی کے شراب خانوں میں

کام لے خونِ آرزو سے فراقؔ　　رنگ بھر غم کی داستانوں میں

فراق دوڑ گئی روح سی زمانے میں
کہاں کا درد بھرا تھا مرے فسانے میں

بیانِ شمع ہے حاصل یہی ہے جلنے کا
فنا کی کیفیتیں دیکھ جھلملانے میں

غرض کہ کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست
وہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں

تھوڑی دیر کے ملنے کی پہلے شکایت رہتی تھی
دیر تک اب رہتے ہیں جو ساتھ کچھ گھبرا سے جاتے ہیں

کوئی نہیں جو خموشی کو داستاں کر دے
تری نظر کی بھی جادو بیانیاں نہ رہیں

نہ پوچھ سوچ کے میں کیا اداس رہتا ہوں
جو غم نصیب محبت تھے اُن کی بات نہیں

ہر ایک گردشِ جام و سبو میں کیف و دوام
رہینِ دَورِ فلک میکدے کی رات نہیں

یہ تجھ سے چھٹتے ہی کیا ہو گیا محبت کو
وہی وجود و عدم ہیں مگر وہ بات نہیں

غم بھی ہے جزوِ زندگی لیکن　　زندگی اشک اور آہ نہیں

دیکھ کر بھی تجھے نہ دیکھ سکے　　حُسن بازیچۂ نگاہ نہیں

روحِ آدم گواہ ہے کہ بشر　　ابھی شائستۂ گناہ نہیں

ہم نے دنیا سنوار دی یوں تو
کون زیرِ فلک تباہ نہیں

مچل رہی ہیں نظر میں نئی نئی صبحیں
حیاتِ تیرہ کی ظلمت سے کھیل سکتا ہوں

ترے خیال میں تیری جفا شریک نہیں
بہت بُھلا کے تجھے کر سکا ہوں یاد تجھے

جو تیرے گیسوئے پُرخم سے کھیل بھی نہ سکیں
اُن انگلیوں کو ستاروں سے چھیڑ سکتا ہوں

فراق غم بھی مرا ہے حریف زندہ دِلی
فسردگی میں بھی یاروں کو چھیڑ سکتا ہوں

وہ کوئی واردات ہے جس کو کہیں کہ ہو گئی
درد اُسی کا نام ہے جو شبِ غم اُٹھا نہیں

دیکھ لیا وہاں تجھے دیدۂ اعتبار نے
ہاتھ کو ہاتھ بھی جہاں سنتے ہیں سوجھتا نہیں

نثارِ پرسشِ غم کے میں کیا کہوں آخر
کہ اب وہ تجھ سے مری بدگمانیاں نہ رہیں

رنج و نشاط و بے حسی کے تو فریب کھا چکے
عشق کو اب وہ درد ہے جس کی کوئی دوا نہیں

صاف جبینِ ناز پر کھُل گئے رازِ بندگی
یوں تو ترے بھی سامنے سر یہ کبھی جُھکا نہیں

تو جتنی دیر ٹھہرتا ہے میرے پاس اے دوست
وہ کم نہیں جو اُچٹتا ہوا قیام نہ ہو

دیر و حرم ہے گردِ راہ نقشِ قدم ہیں مہر و ماہ
اِن میں کوئی بھی عشق کی منزلِ کارواں نہیں

کس نے صدائے درد دی کس کی نگاہ اُٹھ گئی
اب وہ عدم عدم نہیں اب وہ جہاں جہاں نہیں

گرد و غبار سے ہے صاف غم کی فضائے بیکراں
اب تو فنا و عشق کے موت بھی درمیاں نہیں

بارِ سکوں نہ اُٹھ سکا ہستیٔ بے قرار سے
روزِ ازل سے دوش پر کوہِ الم گراں نہیں

عجب کیا کچھ دنوں کے بعد یہ دنیا بھی دنیا ہو
یہ کیا کم ہے محبت کو محبت کر دیا میں نے

تمام انقلاب ہے مجال کیا ٹھہر سکے
یہ دورِ آسماں کہیں یہ گردشِ زمیں کہیں

بس ابتدا ہی ابتدا ہے زندگیٔ عشق میں
کہ بھول بھی سکی ترِی نگاہِ اوّلیں کہیں

ہم اہلِ درد کو کچھ ایسی وحشتیں نہیں مگر
کوئی دیارِ عافیت بتا نہ دو تمہیں کہیں

فراقؔ زیرِ آسمان چمک بھی ہے دھواں بھی ہے
کہ جیسے اُٹھ رہی ہو وہ نگاہِ سُرمگیں کہیں

نہ پوچھ کتنے ہیں رنگین خواب مستقبل
غمِ مآلِ محبت سے کھیل سکتا ہوں

تمام نعرۂ ہو حق تمام نقد و نظر
جنوں کے بھیس میں حکمت سے کھیل سکتا ہوں

اٹھا چکا ہوں نشاط و الم محبت کے
فریبِ دوزخ و جنت سے کھیل سکتا ہوں

تری جبیں سے ہیں مانوس انگلیاں میری
طلوعِ صبحِ قیامت سے کھیل سکتا ہوں

نفس نفس میں زماں و مکاں کی موجیں ہیں
میں تیری دُوری و قربت سے کھیل سکتا ہوں

چپ ہو گئے تیرے رونے والے
دنیا کا خیال آ گیا ہے

ہم آہنگی بھی تیری دُور کی قربت نما نکلی
کہ تجھ سے مل کے بھی تجھ سے ملاقاتیں نہیں ہوتیں

وہ عالم اور ہی ہے جس میں میٹھی نیند آجائے
غم و شادی میں سونے کے لئے راتیں نہیں ہوتیں

زبان و گوش کی ناکامیوں کا کچھ ٹھکانہ ہے
کہ باتیں ہو کے بھی تجھ سے کبھی باتیں نہیں ہوتیں

سمجھ کچھ رازِ حسن و عشق کے شبہائے ہجراں میں
کہ رونے کے لئے یہ دکھ بھری راتیں نہیں ہوتیں

موج ٹھہر سکی کہیں سطح پہ ہو کہ تہ نشیں
عشق میں بے سکون یوں ہی کٹتی ہیں زندگانیاں

اُف یہ فضا اُداس اُداس آہ یہ موجِ دودِ شام
یاد سی آکے رہ گئیں دل کو کئی کہانیاں

اُمڈی گھٹائیں بجلیاں جیسے چمک کے رہ گئیں
آج تو یاد آگئیں حسن کی مہربانیاں

عکس سا پڑ کے رہ گیا جیسے تری نگاہ کا
یاد سی آکے رہ گئیں بھولی ہوئی کہانیاں

موجِ صبا کی پوچھ نہ سفاک دستیاں
ڈوبی ہوئی ہیں خون میں پھولوں کی بستیاں

اے کاروانِ راحت و غم دل ہے وہ مقام
دن رات جس دیار میں لٹتی ہیں بستیاں

غم کشتگانِ عشق سے اتنا نہ کر گریز
کچھ کام آرہیں گی یہ بے کار ہستیاں

دونوں سے بے نیاز ہوں کیا موت کیا حیات
ہیں رشکِ صد نشاط مری غم پرستیاں

سنتے ہیں حسن درد کی تصویر ہو چلا
کچھ لا چلی ہیں رنگ مری غم پرستیاں

اب یادِ رفتگان کی بھی ہمت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

میں پا کے بھی تجھے کچھ منتظر سا ہوں تیرا
یہ دل کا قول ہے تو آپ اپنی آہٹ ہے

کہاں تک آہ تلاش اجل میں جان کھپائیں
فراق آؤ اسی زندگی کو موت بنائیں

زمانے کی بھی تو ہے داستان رنگا رنگ
فسانہ اپنی مصیبت کا تا بہ کے دہرائیں

فضائے دشت بھی پہچانتی ہے یہ آواز
دل خراب کو یہ کون دے رہا ہے صدائیں

بہار میں نہ کھلے دِل، خزاں ہے دُور ابھی
نہ کھُل سکا کہ یہ غنچے ابھی سے کیوں مرجھائیں

یہ مدھ میں ڈوبی فضا یہ سکوتِ نیم شبی
کہو کہ تاروں کی آنکھیں کوئی فسانہ سنائیں

رگِ حیات نہ تھرّا کے ٹوٹ جائے کہیں
ٹھہر ٹھہر کے وہ زلفیں نہ اس طرح بل کھائیں

نہ ختم ہو جو کبھی وہ بھی داستاں ہوئی ختم
جھپک رہی ہیں ستاروں کی آنکھیں اب سو جائیں

فرقت ہو یا وصال ، فنا یا دوام ہو
اے عشقِ مضطرب کہیں تجھ کو قیام ہو

رسوائیوں کا خوف بھی آخر فریب ہے
اے دردِ عاشقی غم بے ننگ و نام ہو

گلزارِ دہر میں وہ غم بے ثبات ہوں
جس کی شکستِ رنگ میں کیف دوام ہو

اِس جلوہ گاہِ ناز میں اے عشق غم نصیب
جانے کو جا ضرور مگر کوئی کام ہو

عالم تمام شوخیِ رفتارِ یار ہے
ٹھہرے نہ آنکھ نام کو بھی گر قیام ہو

ہوا ہے گردشِ دوراں کا ایک دور تمام
سکونِ یاس جو حاصل ہوا محبت کو

کوئی رگِ دل افسردہ آج پھر اکساؤ
پھر آج غم کے شبستاں میں اک چراغ جلاؤ

ارے خود اپنا فریبِ نگاہ کیا کم ہے
یہ کیا ضرور کہ اس کی نظر کے دھوکے کھاؤ

ترے زلف و رُخ کا بدل ڈھونڈتا ہوں
شبستاں شبستاں چراغاں چراغاں

ہو قوس قزح شبنم آلود جیسے
وہ رنگین پیکر پشیماں پشیماں

وہی اِک نظر ڈوبتی جا رہی ہے
وہی ایک نشتر رگِ جاں رگِ جاں

یہ سازِ خموش آج کو دے رہا ہے
سکوتِ نظر بھی غزل خواں غزل خواں

فراقِؔ حزیں سے تو واقف تھے تم بھی
وہ کچھ کھویا کھویا پریشاں پریشاں

جہاں میں ہے بڑی چیز خود فریبیٔ عشق
کسی کا عہدِ وفا جھوٹ ہی ہو، مان بھی جاؤ

اُداس اس نے ہم اہلِ رضا کو دیکھ لیا
نگاہِ ناز سے اب جلد کوئی بات بناؤ

فلک پہ گوش بر آواز ہیں ستارے بھی
ہے رات کتنی سہانی کوئی فسانہ سناؤ

ابھی تو بلبلیں آسودۂ نشیمن ہیں
گلو، کچھ اور ابھی رنگ و بو کے جال بچھاؤ

نہ پوچھ اُلجھی ہوئی گتھیاں محبّت کی
نہ پوچھ حسن کی باتوں میں کتنا ہے سلجھاؤ

کہاں پھر اس کی نظر کی یہ کیف سامانی
چھڑا ہے نغمۂ سازِ حیات جھوم بھی جاؤ

بساطِ ناز پہ تو ہے کہ کوئی دیوی ہے
بھووں کی نرم لچک انکھڑیوں کا نرم جھکاؤ

کرو نہ گریۂ معصوم عشق کو رسوا
چمکتے جھوٹ سے پانی میں تو نہ آگ لگاؤ

اگرچہ سادہ تھا کتنا گناہ آدم کا
وہ رنگ لاتا ہے کیا کیا ابھی تو دیکھتے جاؤ

تڑپ کو ہم نے بنایا سکونِ بے پایاں
ہماری دُکھ بھری لَے میں ہے کس قدر ٹھہراؤ

جن کو میں آرزو سمجھتا تھا
میرے کچھ خواب تھے وہ گرد آلود

"ہر چہ بادا باد" کے نعروں سے دنیا کانپ اُٹھی
عشق کے اتنا کوئی برگشتۂ قسمت بھی تو ہو

گراں بارِ الم دل اور ٹھاٹھیں مارتا طوفاں
کہاں لے جائیں چڑھتی ندیاں بوجھل سفینوں کو

بظاہر جن میں افسردہ چراغوں کی اُداسی ہے
وہ سوزِ بے اثر بھی جگمگا دیتے ہیں سینوں کو

کارزارِ دہر میں ہر کیف ہر مستی بجا
کچھ شریکِ بے خودی رندانہ جرأت بھی تو ہو

ہر نفس سے آئے بوئے آتشِ سیّال عشق
آگ وہ دل میں، لہو میں وہ حرارت بھی تو ہو

ہر دلِ افسردہ سے چنگاریاں اُڑ جائیں گی
کچھ تری معصوم آنکھوں میں شرارت بھی تو ہو

دیکھ کر رنگِ مزاجِ یار کیا کہئے فراقؔ
اس میں کچھ گنجائشِ شکر و شکایت بھی تو ہو

گو رہبری سکوتِ ابد کی ہے عشق میں
گر سُن سکو تو بانگِ جرس بھی سُنے چلو

منزلِ عدم کی، راہ کٹھن، رات کا سفر
تا صبح دم فسانۂ ہستی کہے چلو

لو آگئی یہ منزلِ جاناں کی سرزمیں
کھوئے ہوئے دِلوں کو جگاتے چلے چلو

بڑھ جاؤ اہلِ درد حدِ بے خودی سے بھی
آئے تو یہ بھی منزلِ غم کاٹتے چلو

کہہ دو یہ آستینوں سے گلزارِ دہر میں
وہ آگئی بہار لہو اب تو دے چلو

جب چل پڑے فراقؔ تو منزل کی فکر کیا
جو کچھ دکھائے دورِ فلک دیکھتے چلو

شامِ غم کچھ اس سراپا ناز کی باتیں کرو
بے خودی بڑھتی چلی ہے راز کی باتیں کرو

یہ سکوتِ ناز یہ دل کی رگوں کا ٹوٹنا
خامشی میں کچھ شکستِ ساز کی باتیں کرو

نکہتِ زلفِ پریشاں داستانِ شامِ غم
صبح ہونے تک اسی انداز کی باتیں کرو

ہر رگِ دل وجد میں آتی رہے دکھتی رہے
یوں ہی اس کے جا و بے جا ناز کی باتیں کرو

جو عدم کی جان ہے جو ہے پیامِ زندگی
اِس سکوتِ راز، اس آواز کی باتیں کرو

عشق رسوا ہو چلا بے کیف سا بیزار سا
آج اس کی نرگسِ غمّاز کی باتیں کرو

نام بھی لیتا ہے جس کا اک جہانِ رنگ و بو
دوستو اس نو بہارِ ناز کی باتیں کرو

کس لئے عذرِ تغافل کس لئے الزامِ عشق
آج چرخِ تفرقہ پرداز کی باتیں کرو

اور کچھ مصلحتِ ذکرِ ستم تھا اے دوست
خیر اقرار نہ ممکن ہو تو انکار سہی

کچھ قفس کی تیلیوں سے چھن رہا ہے نور سا
کچھ فضا کچھ حسرتِ پرواز کی باتیں کرو

جو حیاتِ جاوداں ہے جو ہے مرگ ناگہاں
آج کچھ اس ناز اس انداز کی باتیں کرو

عشق بے پرواہ بھی اب کچھ ناشکیبا ہو چلا
شوخیٔ حسنِ کرشمہ ساز کی باتیں کرو

جس کی فرقت نے پلٹ دی عشق کی کایا فراقؔ
آج اُس عیسیٰ نفس دم ساز کی باتیں کرو

کل تک کھلا نہ تھا مرے دل کا معاملہ
آج اک جہانِ راز کو بے ننگ و نام دیکھ

بے کس نہیں ہے عشق بہت لے نگاہِ ناز
کیا تجھ کو میرے درد سے، تو اپنا کام دیکھ

ظلمت سرائے دیر میں کچھ روشنی سی ہے
اِک رات رہروانِ عدم کا قیام دیکھ

دنیا کو دیکھ لے کہ وہ دنیا نہیں رہی
برقِ نگاہ کا اثرِ ناتمام دیکھ

ہر سانس موج بادۂ سرجوش ہے فراق
ہستی کو ماورائے فنا و دوام دیکھ

فضا ہے دہکی ہوئی رقص میں ہے شعلۂ گل
جہاں وہ شوخ ہے اس انجمن کی آنچ نہ پوچھ

قبا میں جسم ہے یا شعلہ زیر پردۂ ساز
بدن سے لپٹے ہوئے پیرہن کی آنچ نہ پوچھ

حجاب میں بھی اسے دیکھنا قیامت ہے
نقاب میں بھی رُخِ شعلہ زن کی آنچ نہ پوچھ

کبھی خودداریِ انساں وہ دنیا بھی بنائے گی
جہاں سجدوں سے شرمندہ نہیں کرتے جبینوں کو

چڑھا لیتا ہے آنکھوں پر فلک عشاق کو اے دل
بٹھا لیتا ہے آنکھوں میں زمانہ نازنینوں کو

فراقؔ خوش نوا نے آج اس دھن میں غزل چھیڑی
کوئی آواز جیسے چیرتی جاتی ہو سینوں کو

کیف بر دوش بادلوں کو نہ دیکھ
بے خبر تو کچل نہ جائے کہیں

پیامِ زیر لبی پھونک دے نہ پردۂ دل
کسی کی نرمیٔ طرزِ سخن کو آنچ نہ پوچھ

لپک رہے ہیں وہ شعلے کہ ہونٹ جلتے ہیں
نہ پوچھ موجِ شرابِ کہن کی آنچ نہ پوچھ

یہ موڑ وہ ہے کہ پرچھائیاں بھی دیں گی نہ ساتھ
مسافروں سے کہو اس کی رہ گذر آئی

فضا تبسم صبحِ بہار تھی لیکن
پہنچ کے منزلِ جاناں پر آنکھ بھر آئی

کسی کی بزم طرب میں حیات بٹتی تھی
اُمیدواروں میں کل موت بھی نظر آئی

کہاں ہر ایک سے انسانیت کا بار اُٹھا
کہ یہ بلا بھی ترے عاشقوں کے سر آئی

ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

عجب نہیں کہ چمن در چمن بنے ہر پھول
کلی کلی کی صبا جا کے گود بھر آئی

شب فراق اُٹھے دل میں اور بھی کچھ درد
کہوں یہ کیسے تری یاد رات بھر آئی

پھر سُرخیِ نشاطِ جہاں سُرخ ہو چلی
غم نیشتر زنِ رگِ دُنیا ہے آج بھی

افسردگیٔ عشق کو مدت گذر چکی
شعلہ سا کچھ دنوں سے لپکتا ہے آج بھی

اب بھی اچھل رہا ہے لہو سا فضا میں کچھ
دار و رسن پہ عشق کا قبضہ ہے آج بھی

ہمدم میں خود نگاہ اُٹھاتا نہیں مگر
اس نو بہار ناز کو دیکھا ہے آج بھی

خوابِ عدم، سکونِ ابد مل چکا مگر
شورشِ حیاتِ عشق سے پیدا ہے آج بھی

بوئے کفن سموئی ہوئی ہے فضا میں آج
رازآشنائے صبح ہے فرقت کی شام بھی

وہ آئے یا نہ آئے مگر آرزو تو ہے
لائے گا رنگ دیکھ یہ سودائے خام بھی

پھر شورِ انقلاب اُٹھا چار سمت سے
اچھا، اُسی نگاہ کا قصہ ہے آج بھی

گو بے حسیِ دل کو زمانہ گذر گیا
رہ رہ کے خارِ عشق کھٹکتا ہے آج بھی

کہنے کا کچھ کسی سے زمانہ نہیں مگر
اک حرف ساز بان تک آتا ہے آج بھی

اس پرسشِ کرم پہ تو آنسو نکل پڑے
کیا تو وہی خلوص سراپا ہے آج بھی

سنوارتا ہوں اسے آنسوؤں کے موتی سے
انہیں سے شاہدِ ہستی کی مانگ بھرتی ہے

آ گئی یاد کِس گلِ تر کی　　شبنمستاں کی آنکھ بھر آئی

پڑے ہیں خوابِ عدم میں جہاں کے ہنگامے　　پکارتی ہے زمانے کو خامشی تیری

پھر بھی تو حُسن حُسن پھر بھی تو عشق عشق ہے
اپنی عنایتوں کو سوچ میری شکایتیں نہ دیکھ

گردو غُبارِ دہر کو جلووں سے جگمگائے جا
سینۂ کائنات کی مجھ سے کدورتیں نہ دیکھ

تمکنت و سکونِ حسن سربسر اضطراب ہیں
آئینۂ جمال میں عشق کی صورتیں نہ دیکھ

برقِ نگاہ سے بھی تیز شدّتِ اضطراب ہے
عشق کی خود نمائیاں حسن کی حیرتیں نہ دیکھ

یہ اختصار بڑی چیز ہے محبت میں
تری نگاہ مری شرحِ خامشی ہوتی

فراقؔ زندگیٔ غم کے راز کیا کہیے
اگر یہ موت نہ ہوتی تو زندگی ہوتی

فراقؔ تو ہی مُسافر ہے تو ہی منزل ہے
کدھر چلا ہے محبت کی چوٹ کھائے ہوئے

کروٹ سے شب ماہ میں بہتی ہے یہ گنگا
یا حسن کی بل کھائی جبیں جاگ رہی ہے

ایک عالمِ نیرنگ ہے دُنیائے محبت
سوتی ہے کہیں اور کہیں جاگ رہی ہے

یہ رات اندھیری ہے مگر اے غمِ فردا
سینوں میں ابھی شمعِ یقیں جاگ رہی ہے

یہ نکھری ہوئی رات فراقؔ آنکھ تو کھولو
سوتا ہوا سنسار زمیں جاگ رہی ہے

تمام خستگی و ماندگی ہے عالمِ ہجر
تھکے تھکے سے یہ تارے تھکی تھکی سی یہ رات

سُنا ہے اہلِ محبت کو اک شکایت ہے
یہی کہ حسن میں اتنی نہ بے خودی ہوتی

جہاں بھی جستجوئے دوست میں ٹھہر جاتے
یقین جان کہ منزل قریب ہی ہوتی

رسمسے ہونٹوں پر وہ کچھ کچھ　　موجِ تبسّم آئی ہوئی سی

بھاری بھاری تاروں کی پلکیں　　نیند تجھے بھی آئی ہوئی سی

تجھ سے مل کر کیوں ہے دل پر　　ایک اُداسی چھائی ہوئی سی

تیری محبّت اک دُنیا ہے　　کھوئی ہوئی سی پائی ہوئی سی

عشق کی گتھی جانیں کب کی　　سلجھائی اُلجھائی ہوئی سی

شعلہ شعلہ شبنم شبنم
یاد گلوں کی آئی ہوئی سی

ہزار بار زمانہ اِدھر سے گذرا ہے
نئی نئی سی ہے کچھ تیری رہ گذر پھر بھی

خوشا اشارۂ پیہم زہے سکوت نظر
دراز ہو کے فسانہ ہے مختصر پھر بھی

دُبدھا پیدا کر دے دلوں میں ایمانوں کو دے ٹکرانے
بات وہ کہہ اے عشق کہ سُن کر سب قائل ہوں کوئی نہ مانے

اسی درد سے دنیا غافل اُسی درد کا گھر گھر چرچا
ایک شب غم کی سو راتیں، ایک محبّت سو افسانے

حُسن کو حُسن سمجھ لینا بھی اے اہل دل کارے دارد
تم بھی چلے ہو کس کے آگے ہنسنے ہنسانے رونے رُلانے

اس کی نظر پر حیراں حیراں مجبوری بھی آزادی بھی
وہی کہے جو سب کے دل میں سب کی سُنے اور اپنی مانے

دُنیا اپنے رنگ محل میں خواب خوشی کے دیکھ رہی تھی
جس میں خوشی نے آنکھیں کھولیں تھے وہ محبت کے غم خانے

سامنے کی چیزیں بھی فراقؔ انسان کو چونکا دیتی ہیں
بزم میں جاگتا خواب یہ دیکھا ہمیں چراغ ہمیں پروانے

امن داماں کی دنیا میں بھی ایسوں کو کب ملتے ہیں ٹھکانے
کئی بار تو عشق گیا ہے موت کے منہ میں جان بچانے

یاد کسی کی کرتا بھی جا، دل سے کسی کو بھلاتا بھی جا
پیتا بھی جا بھرتا بھی جا، ہوش اور غفلت کے پیمانے

حسن بھی تھا اپنی پرچھائیں شام غریباں دیکھ فراقؔ
عشق وہی ہے اب بھی لیکن چھوٹ گئے اپنے بیگانے

خود ترا درد جیسے چونک اٹھے — آج کس وقت تیری یاد آئی

جیسے ذوقِ گناہ وجد میں آئے — دوش پر یوں وہ زلف لہرائی

صاف لَو دے اٹھی اداس فضا — مسکراہٹ جو تیری یاد آئی

ہو گئی کائنات زنگارنگ — وہ گلابی نظر نے چھلکائی

یہ رسائی تو دیکھ موت سے بھی — عشق کی دوستی نکل آئی

جھپک رہی ہیں زمان و مکاں کی آنکھیں
مگر ہے قافلۂ آمادۂ سفر پھر بھی

خراب ہو کے بھی سوچا کیے ترے مہجور
یہی کہ تیری نظر ہے تری نظر پھر بھی

لپٹ گیا ترا دیوانہ گرچہ منزل سے
اُڑی اُڑی سی ہے یہ خاکِ رہگذر پھر بھی

اگرچہ بے خودئ عشق کو زمانہ ہوا
فراقؔ کرتی رہی کام وہ نظر پھر بھی

گاہ گاہ خاکستر دل سے — اب بھی اُڑ جاتے ہیں شرارے
پریم کا پانسا ایسا پلٹا — سب کچھ جیتے سب کچھ ہارے
حسنِ فسردہ کے عالم کو — کون سنوارے کون نکھارے
چونک پڑے جو سناٹے میں — ایسے دل کو کون پکارے

آتشِ عشق بھڑکتی ہے ہوا سے پہلے
ہونٹ جلتے ہیں محبت میں دُعا سے پہلے

فتنے برپا ہوئے ہر غنچۂ سربستہ سے
کھل گیا رازِ چمن چاک قبا سے پہلے

پردۂ شرم میں صد برقِ تبسم کے نثار
ہوش جاتے رہے نیرنگِ حیا سے پہلے

غفلتیں ہستیٔ فانی کی بتا دیں گی تجھے
جو مرا حال تھا احساسِ فنا سے پہلے

اپنے حواس میں شبِ غم کب حیات ہے
اے دردِ ہجر تو ہی بتا کتنی رات ہے

چین سے اہلِ خواب ناز سونے کو یوں تو سو چکے
کٹنے کو یوں تو کٹ گئے غم شبِ انتظار کے

شکوہ کریں تو کیا کریں جَور تو خیر جَور ہے
مارے ہوئے ہیں ہم ترے لطفِ ستم شعار کے

ہستی کو جس نے زلزلہ ساماں بنا دیا
وہ دل قرار پائے مقدر کی بات ہے

ہستی کو تیرے درد نے کچھ اور کر دیا
یہ فرقِ مرگ و زیست تو کہنے کی بات ہے

ہستی بجز فنائے مسلسل کے کچھ نہیں
پھر کس لئے یہ فکرِ قرار و ثبات ہے

قیامت خندۂ گل کر گیا جانِ عنادل پر
چھری موجِ صبا تیری کہیں ڈوبی کہیں نکلی

نمودِ شاہدِ دنیا تھی اک جاتی ہوئی دنیا
نگاہِ حسن عالم بھی نگاہِ واپسیں نکلی

تجھے پا کر نہ جانے کس لئے آنسو نکل آئے
محبت میں خوشی بھی کس قدر اندوہگیں نکلی

وہ تیری نرم دوشیزہ نگاہی دل نہیں بھولا
پڑی جب جب نظر تیری نگاہ اوّلیں نکلی

یہ امتزاج گناہ و ثواب اور کہاں
تری نگاہ پہ کیا کیا گماں گذرتا ہے

جس میں فسانۂ ابد سُن چکے بھول بھی چکے
کاٹنے والے اب کہاں اس شبِ انتظار کے

پوچھ نہ رات بزم میں دیکھ گئے جو انقلاب
دیکھنے والے اے فراقؔ گردشِ چشمِ یار کے

نیند آنے لگی ستاروں کو — چھڑ گئے اہلِ غم کے افسانے

عاشقی کا دیار سونا ہے — ہوئے آباد کتنے ویرانے

چیر جاتی ہیں قلب گیتی کو — اُن نگاہوں کو کوئی کیا جانے

حاصلِ حسن و عشق بس ہے یہی — آدمی آدمی کو پہچانے

یہی مقصد حیاتِ عشق کا ہے
آدمی آدمی کو پہچانے

ہزار بار ترا حُسن حُسن ہو کے رہا — وہ ہم تھے عشق کو جو کر سکے نہ عشق کبھی

اُداس ہوتی چلی ہے فضا زمانے کی
کہ غم سے حسن بھی اب اتفاق کرتا ہے

زمین و چرخ بدلتے ہیں کروٹیں کیا کیا
یہ کون وادیٔ الفت میں پاؤں دھرتا ہے

وفا تو سنتے ہیں دنیا سے مٹ گئی لیکن
دلوں میں آج تک اک نقش سا ابھرتا ہے

ازل سے اِس میں دو عالم سمائے جاتے ہیں
یہ دیکھنا ہے کہ کب دل کا جام بھرتا ہے

زمیں کی کروٹوں نے لاکھ آسماں بنا دیئے
اُٹھیں خرامِ ناز سے قیامتیں نئی نئی

نگاہِ کامیاب کا بھی اِعتبار اُٹھ گیا
ملیں ترے جمال کو نزاکتیں نئی نئی

آئے نہ نظر لکیر ایسی
نیکی و بدی کے درمیاں ہے

حقیقتِ غم و نشاطِ زندگی بدل چلی
سنا رہی ہے شامِ غم حکایتیں نئی نئی

یہ خار زارِ زندگی سے رنگ و بو کا پھوٹنا
بسا رہے ہیں اہل درد جنتیں نئی نئی

موت اک گیت رات گاتی تھی — زندگی جھوم جھوم جاتی تھی

روتے جاتے تھے تیرے ہجر نصیب — رات فرقت کی ڈھلتی جاتی تھی

ذکر تھا رنگ و بو کا اور دل میں — تیری تصویر اُترتی جاتی تھی

حسن میں تھی ان آنسوؤں کی چمک — زندگی جن میں مُسکراتی تھی

زندگی کی وفا کی راہوں میں — موت خود روشنی دکھاتی تھی

زندگی زندگی کو وقتِ سفر — کارواں کارواں چھپاتی تھی

غم کی وہ داستانِ نیم شبی — آسمانوں کو نیند آتی تھی

موت بھی گوش بر صدا تھی فراقؔ — زندگی کوئی گیت گاتی تھی

ساغرِ فنا پی کر جی اُٹھی ہے یہ دنیا
موت کے بھی شیشوں سے زندگی اُبلتی ہے

اس طرح پلٹتا ہے اس نگاہ کا جادو
خون میں چھُری جیسے ڈوب کر اچھلتی ہے

حُسن کی صباحت کو کیا بتایئے جیسے
چاندنی مناظر پر پچھلی رات ڈھلتی ہے

وہ تری محبت ہے جو ریاضِ عالم میں
پھیلتی ہے بو بن کر بن کے رنگ اچھلتی ہے

مدتیں ہوئیں دل پر وہ نگاہ اٹھی تھی
ایک رنگ سے اب تک ڈوبتی اچھلتی ہے

زندگی میں 'میں' اور 'تو' ہم سفر ہوئے کیسے
مجھ سے میری پرچھائیں دُور دُور چلتی ہے

یہ وصال و ہجر کی بحث کیا کہ عجیب چیز ہے عشق بھی
تجھے پا کے ہے وہی دردِ دل وہی رنگ زخمِ جگر بھی ہے

کھل جائیں زمان و مکاں کی آنکھیں — چھیڑ اے دل آج وہ ترانے

آئی تری یاد دل ہوئے خون — گلزار کھلا دیئے صبا نے

یاد آئی تری تو خامشی بھی — اک دھن میں لگی ہے گنگنانے

یہ درد بھری پکار کیسی — یہ کس کو لگا ہے دل جگانے

کونین کو نیند آچلی ہے — اُف تیری نگاہ کے فسانے

تھا ذکر کرم فراقؔ اس کا — کیوں آنکھ لگی ہے ڈبڈبانے

رنگ رُخ کھلا اس طرح آنچ عشق کی کھا کر
پھول جس طرح نکھرے سو کھنے سے شبنم کے

اے فراقؔ کیا ہو گا اور زیست کا ماتم
زندگی کی حالت پر موت ہاتھ ملتی ہے

ترے کیفِ حسن کی جان ہے مری بے دلی و فسردگی
جسے کہتے ہیں غم رائگاں وہ لئے ہوئے کچھ اثر بھی ہے

نہ رہا حیات کی منزلوں میں وہ فرقِ ناز و نیاز بھی
کہ جہاں ہے عشق برہنہ پا وہیں حسن خاک بسر بھی ہے

جو وصال و ہجر سے دور ہے جو کرم ستم سے ہے بے خبر
کچھ اُٹھا ہوا ہے وہ درد بھی، کچھ اُٹھی ہوئی وہ نظر بھی ہے

وہی درد بھی ہے دوا بھی ہے، وہی موت بھی ہے حیات بھی
وہی عشق ناوکِ ناز ہے وہی عشق سینہ سپر بھی ہے

جو گلے تک آکے اٹک گیا جسے تلخ کام نہ پی سکے
وہ لہو کا گھونٹ اُتر گیا تو سنا کہ شیر و شکر بھی ہے

یہ شبِ دراز بھی کٹ گئی وہ ستارے ڈوبے وہ پو پھٹی
سرِ راہ غفلتِ خواب سے اب اُٹھو کہ وقتِ سحر بھی ہے

نہ غمِ عذاب و ثواب سے کبھی چھیڑ فطرتِ عشق کو
جو ازل سے مستِ نگاہ ہے اسے نیک و بد کی خبر بھی ہے

یہ کہو تغافلِ حسن سے کوئی کارسازیٔ غم کرے
کہ جو آج دل سے نکل گئی وہ دعا خراب اثر بھی ہے

ترے غم کی عمرِ دراز میں کئی انقلاب ہوئے مگر
وہی طولِ شامِ فراق ہے وہی انتظارِ سحر بھی ہے

نہ ازل ہے کچھ نہ ابد ہے کچھ یہی موت ہے یہی زندگی
جسے وقت کہتے ہیں اہلِ دل وہ فنا بھی ہے وہ بقا بھی ہے

ترا غم ہے راحتِ دائمی ترا غم ہے جانِ سکوں، مگر
وہی درد بن کے اٹھا بھی ہے، وہی تیر بن کے چلا بھی ہے

نہ وجود کی نہ عدم کی ہے یہ صدائے نغمۂ سرمدی
کہیں چھیڑنے سے حیات و موت کے سازِ عشق چھڑا بھی ہے

تابشِ مہر و ماہ اور سوزِ حیات کے سوا
جلوہ دہ فضائے دہر عشق کی آنچ تھی فراق

پچھلے پہر شب فراق کون یہ مجھ سے کہہ گیا
تیرا جواب پھر کہاں تو جو یہ درد سہہ گیا

جیسے صبح کی دیوی چھاؤں میں ستاروں کی
یوں اُمید کی صورت یاس میں نکلتی ہے

دیکھ نظم نو نے لی وہ افق پہ انگڑائی
یہ زمین بھی جیسے کروٹیں بدلتی ہے

موت نے نکھارا ہے عالم نمو میرا
میری زندگی اے دوست زہر کھا کے پلتی ہے

نہ سمجھنے کی یہ باتیں ہیں نہ سمجھانے کی
زندگی اچٹی ہوئی نیند ہے دیوانے کی

نگہ یاس کسی مست کی کیوں آئے نہ یاد
ساقیا آہ وہی رُوح تھی مے خانے کی

کھینچ کے رکھ دی تری لغزشِ مستانہ نے
ایک تصویر چھلکتے ہوئے پیمانے کی

اس ادائے صبر و سکوت پر اس ادائے شکر و سپاس پر
نہ ملول ہو کہ بیانِ غم کبھی اہلِ غم سے ہوا بھی ہے

رہِ بے خودی سے گذر گئے کئی کاروانِ جنوں مگر
وہی جلوے لالہ و گل کے ہیں وہی رنگِ بادِ صبا بھی ہے

یہ اجل بھی کیا، یہ عدم بھی کیا کبھی آ کے دیکھ فراقؔ کو
اسی زندگی کی تجھے قسم کہ جو درد بھی ہے دوا بھی ہے

کیا ہے یہ سلسلۂ ہستیٔ پیچیدۂ دہر
ایک اُتری ہوئی زنجیر ہے دیوانے کی

پردۂ یاس میں اُمید نے کروٹ بدلی
شبِ غم بجھ میں کمی تھی اسی افسانے کی

چُھپ گئی شمع سرِ طور تماشائی سے
داستاں کہتی ہوئی سانس اُکھڑ جانے کی

اُجلے اُجلے سے کفن میں سحرِ ہجر فراقؔ
ایک تصویر ہوں میں رات کے کٹ جانے کی

اپنی ہی گرمی سے آیا عشق میں اک بانکپن
اپنی ہی نرمی سے گھائل ہو گیا حسنِ بتاں

یہ بھولی بھالی دنیا بھی سیانی ہے قیامت کی
کوئی کرتا ہے چالاکی تو دھوکا کھا ہی جاتا ہے

نکھرتا ہی چلا جاتا ہے حُسنِ آئینہ پرور
ازل سے دل کے سانچے میں کوئی ڈھلتا ہی جاتا ہے

محبت سیدھی سادھی چیز ہو پر اس کو کیا کیجے
کہ یہ سلجھی ہوئی گتھی کوئی اُلجھا ہی جاتا ہے

مرے ترکِ محبت پر اب اتنی بھی نہ حیرت کر
کہاں تک بے حیا ہو آدمی شرما ہی جاتا ہے

یہی ہے ارتقا ناداں یہی معراج انسانی
ازل سے دردِ ہستی تا ابد اُٹھتا ہی جاتا ہے

حسن کو غیب سے صدا اذنِ نشاط آرائی
عشق کے واسطے یہ شرط کہ غم کوش رہے

وہ تیرے درد کا انسانیت کا درد بن جانا
خوشا وہ زخم اچھا ہو کے جو دکھتا ہی جاتا ہے

وہ مستِ ناز اُٹھاتا ہے قدم سو احتیاطوں سے
لبالب جام مے چلتے ہوئے چھلکا ہی جاتا ہے

جو دستِ غیب نے صبحِ ازل رکھ دی تھی سینوں میں
سخن تیرا فراق اس آگ کو بھڑکا ہی جاتا ہے

اِک جاتی ہوئی دنیا اک عالم حیرت ہے
اِن دونوں کا مِل جانا دنیائے محبت ہے

تو یاد آئے ترے جور و ستم لیکن نہ یاد آئیں
تصوّر میں یہ معصومی بڑی مشکل سے آتی ہے

یہی کہتی ہوئی ساغر سے اُٹھی موجِ شراب
ہے تہِ جام بھی اک چیز اگر ہوش رہے

کان بجتے رہے ایک عمر تک اہلِ دل کے
بند سینے میں وہ ہنگامۂ خاموش رہے

تیرہ بختی نہ مٹے گرم نوائی سے فراق
عشق کا شعلۂ آواز سیہ پوش رہے

واقعہ ردّو قبول دل کا کیا ہے؟ جس طرح
لا کے ہونٹوں تک کوئی مستی میں ساغر چھوڑ دے

عشق کی تحریک پنہاں یوں سمجھ لے ہم نشیں
جیسے کوئی بادیہ ناآشنا گھر چھوڑ دے

کُفر کہتا ہے کہ اِک بُت ہے یہ ایماں بھی ترا
اے مسلماں پوجتا تو بھی یہ پتّھر چھوڑ دے

کون ہے وہ رہگذر اے چرخ کیا ہے وہ مقام
عشق جس جا حسن کو بھی خاک بر سر چھوڑ دے

اَبد بھی اپنی پرچھائیں ازل بھی روشنی اپنی
محبت کو کمی کیا موت اپنی زندگی اپنی

چمن کی تازگی آئینہ دارِ رشک شبنم ہے
جھلکتی ہے تری رنگینیوں میں سادگی اپنی

نسیمِ صبح کا دامن کہیں آلودہ ہوتا ہے
بچا لیتا ہے حسنِ نرم خو، دوشیزگی اپنی

چھپاتا جا رہا ہوں تجھ کو اپنی چشمِ حیراں سے
بڑھاتا جا رہا ہوں فرصتِ نظارگی اپنی

ہم اہلِ غم نے کل پر ٹال رکھا رحمتِ حق کو
کھُلے تھے خلد کے در پر طبیعت ہی نہ تھی اپنی[1]

---

[1] درہائے فردوس وا بود لیکن   از بے دماغی گفتم کہ فردا   (بیدلؔ)

تری آہستہ خرامی بھی سکونِ دل ہے
اس روش میں بھی تری شوخیِ رفتار سہی

کاروانوں کو وہ گمراہ نہ ہونے دے گا
عشق کی آخری منزل رسن و دار سہی

جو سرِ بزم چھلک جائے وہ پیمانہ ہے
یوں تو گردش میں ہر اک ساغرِ سرشار سہی

کون یہ لے رہا ہے انگڑائی
آسمانوں کو نیند آتی ہے

اب کے بھی یونہی اے فراق کٹ گئے دن بہار کے
دل میں اُبھر کے رہ گئے داغ فراقِ یار کے

گلشنِ دہر کی ہوا راس نہ آئے گی اُنہیں
ہوش میں آئیں کس لئے کھوئے ہوئے بہار کے

جنوں کے تپتے بنوں میں ترا دیا ہوا سوز
فضائے صبحِ گلستاں میں تیری ٹھنڈک ہے

بنے گی غم کے عناصر سے اک نئی دُنیا
نشاطِ حسن سے تم پوچھ لو اگر شک ہے

کہا تھا حسن نے دل سے الٹ دے نظمِ جہاں
اِسی صلاح پہ دِل کاربند اب تک ہے

شکست و فتح سے رہ عشق کی طرح بے فکر
کسی کے ہاتھوں جیسے گام گام پر زک ہے

نشاطِ عشق کے کھلتے ہی آنکھ بھر آئی
ابھی تو ہنستے تھے یہ حال کیوں اچانک ہے

ناداں کام نہیں یہ خوشی کا   دل سنبھلے گا غم کے سنبھالے

رات اندھیری راہ کٹھن ہے   دردِ محبت کو چمکالے

تنہائی بھی کروٹ لے گی
جاگے ہوؤں کو نیند تو آلے

خوشی سے کیا خوشی ہو غم سے کیا غم ہو زمانے میں
کہ آکر ہاتھ بھی یہ زندگی ترسا ہی جاتی ہے

•

بہت آہستہ اُٹھتی ہے نگاہِ شاعرِ فطرت
رُخِ ہستی سے چادر سی مگر سرکا ہی جاتی ہے

فراقؔ آثارِ فطرت دیکھتا جا چشمِ پرنم سے
ستاروں کو بھی صبحِ شامِ غم نیند آ ہی جاتی ہے

وہ کھِل اُٹھے چہرے رِندوں کے وہ دل کے کنول بھی لہرائے
یہ دورِ مئے رنگیں ساقی گلزار بھی بادِ بہار بھی ہے

ہر پیکرِ دردِ محبت آپ اپنی بقا، آپ اپنی فنا
یہ جلوہ گہہ جاناں، یہ دل منصور بھی ہے اور دار بھی ہے

تدبیر اُلٹ جاتی ہے جہاں تقدیر پلٹ جاتی ہے جہاں
اس لامحدود فضا میں کہیں سنتے ہیں نیا سنسار بھی ہے

فراق ایسے میں کیوں آنکھ ڈبڈا آئی
ہوا میں نرم لچک ہے فضا میں ٹھنڈک ہے

نہ وہ شدت محبت کی نہ وہ بیتا بیاں لیکن
تری یاد آتے ہی دل پر گھٹا سی چھا ہی جاتی ہے

کسی کی صحبتِ مے یاد آ ہی جاتی ہے اے ہمدم
دبی سی چوٹ ابھر کر جامِ دل سنکا ہی جاتی ہے

شعاعِ آفتابِ صبح یا دستِ نگاریں ہو
اِک انگشتِ حنائی عشق کو چونکا ہی جاتی ہے

نگاہِ ناز جاناں سرسری ہو، طائرانہ ہو
جدھر کو اُٹھ گئی کچھ پھول سے برسا ہی جاتی ہے

تری معصومیاں اے عشق رسوا سب بجا لیکن
یہ دنیا ہے فرشتوں پر بھی تہمت آ ہی جاتی ہے

یادِ رُخِ لیلیٰ مجنوں کو یہ کہہ کر ہوش میں لاتی ہے
اے جانِ جہاں آنکھیں تو اُٹھا صحرائے جنوں گلزار بھی ہے

کچھ کیف شبانہ بھی آنکھوں میں کچھ آئی ہوئی انگڑائی بھی
تصویر سحر نیرنگِ سحر یہ ہوش بھی ہے یہ خمار بھی ہے

دن رات شگوفے کھلتے ہیں دن رات بہاریں لٹتی ہیں
تدبیر جنوں تقدیرِ چمن، ایام کی کچھ رفتار بھی ہے

حُسن خفا ہے اک دنیا سے ہے کوئی جو بات بنالے؟

گہری نیند میں جاگ رہے ہیں تیری آنکھوں کے متوالے

پھر یہ تمنائیں نہ رہیں گی اے دل جی بھر کے للچالے

خوابِ عدم کے ہو رہے دونوں سونے والے جاگنے والے

عشق نے اُٹھ کے بدل دی دنیا دیکھتے رہ گئے دیکھنے والے

زنداں بھی زنداں نہ رہے گا
اور ابھی کچھ جی گھبرا لے

اِتنی فرصت پھر نہ ملے گی
ہنس لے ہنسالے رولے رُلا لے

آج شراب میں جوش بہت ہے
آج چھلک جاتے ہیں پیالے

غم بھی بقولِ فراقؔ خوشی ہے
وہ بھی ہیں کیا الٹی مت والے

راہ دیکھ کر چلنے والے
کبھی کبھی تو منہ کی کھالے

زندہ دلی کی تصویریں ہیں
موت کے ہاتھوں جینے والے

حسن یہی ہے عشق یہی ہے
دھوکے دے لے دھوکے کھالے

سنبھلے ہوؤں کے قدم نہیں جمتے
گرتے ہوؤں کو کون سنبھالے

وحشت بھی مانوس ہے کتنی
آئے اچھی آنکھوں والے

ذرّوں کو سُلائے ہے تاروں کو جگائے ہے
کچھ دھیمے سروں میں وہ جب راتوں کو گائے ہے

انداز نظر اس کا یوں یاد کب آئے ہے
رہ رہ کے مگر دل پر نشتر سے چلائے ہے

ہر بعد میں اِک قربت ہر قرب میں اک دُوری
اے دوست تجھے کوئی کھوئے نہ پائے ہے

رونا تو کہاں لیکن فرقت میں سرِ مژگاں
دھندلا سا کوئی تارا اکثر نظر آئے ہے

مَے تو مَے نشۂ مَے پی گئے تیرے بدمست
آگ لگ جاتی اگر شوق چراغاں ہوتا

مدّ و جزر ایک ہی طوفاں کے ہیں یہ مستی و ہوش
عشق اگر کفر نہ ہوتا تو پھر ایماں ہوتا

ہو گیا چشمِ عدم سے بھی نہاں ناوک ناز
ابھی حسرت ہے کہ پیوست رگِ جاں ہوتا

ہستی کے شبستاں میں یہ کون چراغِ دل
رہ رہ کے جلائے ہے رہ رہ کے بجھائے ہے

یہ دردِ محبت ہے آپ اپنی دوا ناداں
رونا ہو کہ ہنسنا ہو کچھ کام بھی آئے ہے

یہ پردۂ سازِ دل یہ نقش و نگارِ دل
کیا کیا نہ سنائے ہے کیا کیا نہ دکھائے ہے

اک درد کی دنیا ہے وقتِ گذراں لیکن
یہ صبحِ ازل سے ہی کیا قافلہ جائے ہے

تاروں کی پلک بھاری ہے غم کے فسانے سے
ہم کو بھی فراقؔ اب تو کچھ نیند سی آئے ہے

اک آہِ سرد سہی اک نوائے درد سہی
یہ ضبطِ غم کبھی بے چارگی کو راہ تو دے

ہر اک کے ہوش کا کھل جائے گا بھرم ساقی
کچھ اذنِ بادہ کشی مستیٔ نگاہ تو دے

اِن نرم نگاہوں کا انداز جو پائے ہے
دل سختی دوراں کو کچھ بھول سا جائے ہے

اک طرفہ معمّہ ہے نیرنگِ محبّت بھی
سو طرح اُجاڑے سو طرح بسائے ہے

وہ آگ محبّت کی لگتے بھی نہیں دیکھی
رگ رگ میں جو رہ رہ کر شعلے سے اُٹھائے ہے

پہلے سے بھی گہرا ہے رنگ اس کے تغافل کا
لیکن دِلِ دیوانہ کب ہوش میں آئے ہے

ہم عشق و محبّت کو تو بھول چکے لیکن
جب نام ترا لیجے تب آنکھ بھر آئے ہے

اک خواب پریشاں ہے یہ بزمِ جہاں لیکن
آئے ہے نہ جائے ہے جائے ہے نہ آئے ہے

لے کٹ ہی گئی آخر یہ زندگیٔ فانی
اے دوست خدا حافظ! کچھ نیند سی آئے ہے

وہ جا بھی چکا کب کا وہ بھول چکا کب کا
دل ہے کہ فراقؔ اب تک دامن کو چھڑائے ہے

پانی میں اُترنے والے بھی اس راز سے واقف ہو نہ سکے
ملتی نہ تھی جن کی تھاہ وہی چڑھتے دریا پایاب بھی تھے

نازک وقتوں میں کام آکر عشق دعا دے جاتا ہے
چڑھتی ندّی پار اُتارے اُتری ندّی ڈبوئے بھی

نظر بچا کے ترے عشوہ ہائے پنہاں نے
دلوں میں دردِ محبت اُٹھائے ہیں کیا کیا

پیامِ حسن، پیامِ جنوں، پیامِ فنا
تری نگہ نے فسانے سنائے ہیں کیا کیا

فراقؔ راہِ وفا میں سبک روی تیری
بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے ہیں کیا کیا

جیسے جادو جاگ رہا ہے — وہ مست آنکھیں دیں گی نہ جینے

عکس پڑا جب حسن کا تیرے — آبِ حیات کو آئے پسینے

شعلہ شعلہ پیکرِ تاباں — جگمگ جگمگ مد بھرے سینے

اُمڈا ساگر اُٹھتی جوانی — ڈگمگ ڈگمگ دِل کے سفینے

وعدۂ فردا کرنے والے — بیت گئے دن ، ہفتے، مہینے

دل ہی مجھے تجھ سے ملایا — تجھ سے چھڑایا بھی دل ہی نے

سب کی صفا اور میری کدورت — سب کا خلوص نہ عشق کے کینے

راہِ محبت میں پڑتے ہیں — لاکھوں مکّے لاکھوں مدینے

الوداع اے بزمِ انجم ہجر کی شب الفراق
تا بہ صبحِ ناگہانی انتظارِ یار تھا

عشق نے ڈالیں اس پہ کمندیں — ستارے جس بام کے زینے

نرغے میں آ گیا عشقِ اعظم — ٹوٹ پڑے دنیا کے کمینے

قوموں کو گمراہ کیا ہے — شاعر کی بے راہ روی نے

آبِ حیات ہضم کرنے کو — کتنے زہر پڑیں گے پینے

دیکھ کے تیرا پیکر تاباں — سُورج، چاند پسینے پسینے

آج فراق کی نرم نوائی
چیر گئی راتوں کے سینے

اُداسی میں محبت کا فسانہ چھیڑ اے ہمدم
دُکھے جس داستاں سے دل اُسی سے جی بہلتا ہے

ہم اہلِ درد طُور سے آگے نکل گئے
پتھر ہماری راہ میں حائل نہیں رہا

سرک آئی ہے زلف خم بہ خم روئے درخشاں پر
مہکتی چھاؤں سے آتی ہے چھن کر روشنی تیری

دکھاتے ہیں ستارے ایک بہتر زندگی کا خواب
نہ دیکھ ان کی طرف وہ چھین لیں گے سب خوشی تیری

زمینِ رہگذر کے ذرّے گہری سانس لیتے ہیں
سکوں آثار کتنی ہے اَدائے کم رَوی تیری

ستارے لالۂ و گل، بزم ہستی بے ترے بے کیف
ہو کوئی انجمن محسوس ہوتی ہے کمی تیری

تجھی سے ہے کہیں شعلہ بداماں چادرِ شبنم
جھلکتی ہے کہیں روئے سحر پر تازگی تیری

کچھ رنگ سا فضا سے ٹپکتا ہے مرے جنوں
چھلکا ہوا ہے شیشۂ بادِ بہار کیا

اے دل کسی کی پہلی نگاہوں کو بھول جا
یاد آگیا تجھے مرے غفلت شعار کیا

ستارے کھو گئے ہیں روپ کے سنگیت میں اکثر
کہاں ساز شب مہتاب میں بھی نغمگی تیری

مری آغوش سے اُٹھ کر کبھی آئینہ دیکھا ہے
سحر کو اور بڑھ جاتی ہے کچھ دوشیزگی تیری

شریکِ بزم ہو کر یوں اُچٹ کے بیٹھنا تیرا
کھٹکتی ہے تری موجودگی میں بھی کمی تیری

اک سکوتِ داستاں در داستاں تیری نگاہ
اک سکونِ حشر ساماں یہ ملاقاتیں تری

ہے انہیں میں ایک مرگِ ناگہاں کا بھی فریب
ہم کو سب معلوم ہیں اے زندگی گھاتیں تری

آنکھیں بھر آئیں گی سینوں میں اُمڈ آئیں گے دِل
جب دیارِ یار، یاد آئیں گی برساتیں تری

اب مری آواز پردہ ہے تری آواز کا
یہ مرے نغمات ہیں اے دوست یا باتیں تری

داستاں در داستاں ہے شاعری تیری فراق
محفلِ انجم تری، راتیں تری، باتیں تری

اے محبت تو اک عذاب سہی　　زندگی بے ترے جہنم ہے

روپ کی جوت زیرِ پیراہن　　گلستاں پر ردائے شبنم ہے

میرے سینے سے لگ کے سو جاؤ　　پلکیں بھاری ہیں رات کم ہے

آہ یہ مہربانیاں تیری　　شادمانی کی آنکھ پرنم ہے

جیسے اچھلے جنوں کی پہلی شام　　اس ادا سے وہ زلف برہم ہے

اک تلاطم سا رنگ و نکہت ہے　　پیکرِ ناز میں دمادم ہے

نرم دوشیزہ کس قدر ہے نگاہ
ہر نظر داستانِ مریم ہے

آج تک صبحِ ازل سے وہی سناٹا ہے
عشق کا گھر کبھی شرمندۂ مہماں نہ ہوا

اہلِ زنداں کی یہ محفل ہے ثبوت اس کا فراق
کہ بکھر کر بھی یہ شیرازہ پریشاں نہ ہوا

جہاں میں تھی بس اک افواہ تیرے جلووں کی
چراغِ دیر و حرم جھلملائے ہیں کیا کیا

دو چار برقِ تجلی سے رہنے والوں نے
فریب نرم نگاہی کے کھائے ہیں کیا کیا

نثار نرگسِ میگوں کہ آج پیمانے
لبوں تک آتے ہوئے تھرتھرائے ہیں کیا کیا

کہیں چراغ، کہیں گل، کہیں دل برباد
خرام ناز نے فتنے اُٹھائے ہیں کیا کیا

تغافل اور بڑھا اس غزالِ رعنا کا
فسونِ غم نے بھی جادو جگائے ہیں کیا کیا

ہم باغِ خلد کو بھی نہ لائیں خیال میں
ہاتھ آئے گر ترا سرِ دامانِ دوستی

اب اور کیا کہیں کہ ہم اہلِ رضا سے بھی
آخر نہ اُٹھ سکے ترے احسانِ دوستی

اس چشمِ نیم باز میں پنہاں ہیں اے فراقؔ
صدہا فریبِ مشکل و آسانِ دوستی

آگ میں جو پڑا وہ آگ ہوا		جشنِ سوزِ نہاں مجسّم ہے

اس کی شیطان کو کہاں توفیق		عشق کرنا گناہِ آدم ہے

ہے وہی عشق زندۂ جاوید		جسے آبِ حیات بھی سم ہے

اِس میں ٹھہراؤ یا سکون کہاں		زندگی انقلابِ پیہم ہے

اک تڑپ موجِ تہ نشیں کی طرح		زندگی کی بنائے محکم ہے

اُٹھنے والی ہے بزمِ ماضی کی		روشنی کم ہے زندگی کم ہے

یہ بھی نظمِ حیات ہے کوئی		زندگی زندگی کا ماتم ہے

اک معمہ ہے زندگی اے دوست		یہ بھی تیری ادائے مبہم ہے

دُوریِ یار کا بھی غم، ایسوں کے ملنے کا بھی غم
جن کو قریب پا کے جی اور اُداس ہو گیا

معصوم ہے محبت لیکن اسی کے ہاتھوں
اے جانِ عشق میں نے تیرا برا بھی چاہا

رات آدھی سے زیادہ گئی تھی سارا عالم سوتا تھا
نام ترا لے لے کر کوئی درد کا مارا روتا تھا

چارہ گر یہ تسکیں کیسی! میں بھی ہوں اس دنیا میں
اُن کے ایسا درد کب اُٹھا جن کو بچنا ہوتا تھا

کچھ کا کچھ کہہ جاتا تھا میں فرقت کی بے تابی میں
سُننے والے ہنس پڑتے تھے ہوش مجھے تب ہوتا تھا

تارے اکثر ڈوب چلے تھے رات کو رونے والوں کو
آنے لگی تھی نیند سی کچھ دنیا میں سویرا ہوتا تھا

ترک محبت کرنے والو کون ایسا جگ جیت لیا
عشق سے پہلے کے دُکھ سوچو کون بڑا سُکھ ہوتا تھا

دُنیا دُنیا غفلت طاری عالم عالم بے خبری
حسن کا جادو کون جگائے ایک زمانہ سوتا تھا

اس گلشنِ ہستی میں کم کھلتے ہیں گل ایسے
دُنیا مہک اُٹھے گی تم دل کو مسلِ جانا

میں سازِ حقیقت میں سویا ہوا نغمہ تھا
تھا رازِ نہاں کوئی پردوں سے نکل جانا

حدِ تمکین سے نہ باہر ہوئی خود دار نگاہ
آج تک آ نہ سکا، حُسن کو حیراں ہونا

چارہ گر درد سراپا ہوں مرے درد نہیں
باور آیا تجھے نشتر کا رگِ جاں ہونا

رشکِ صد لطف و کرم ہے یہ نیا رنگِ ستم
کچھ ہمیں جان سکے تیرا پشیماں ہونا

سازِ بے سوز ہے اے عشق یہ افسردہ حیات
دِل کے پردوں کو سِکھا شعلہ بداماں ہونا

نزع میں دادِ وفا مل گئی بیماروں کو
سرِ بستر حُسن کا تاخیرِ پشیماں ہونا

دُکھتے دِل کو نئے انداز سے دُکھنا آیا
غمِ دوراں کو مبارک غمِ جاناں ہونا

آج دَر پردہ جنوں سِلسلہ جنباں ہے فراقؔ
کھل گیا گیسوئے پُرخم کا پریشاں ہونا

سکوتِ ناز کو بیگانگی سمجھ بیٹھے
سوالِ دل ابھی شائستۂ جواب نہ تھا

تجھے خبر ہے کہ رات اے نگاہ مست ہر ایک
خراب ہو کے بھی تیری طرح خراب نہ تھا

حریمِ یار میں خاصانِ عشق تھے ہم لوگ
وہ کون فردِ بشر تھا جو انتخاب نہ تھا

تمام کش مکشِ دہر ایک غفلت تھی
کھُلی جو آنکھ فضا میں وہ اضطراب نہ تھا

نہ جانے کیوں بھری دنیا میں خاک اُڑتی تھی
بہ فیضِ عشق یہ دریا ابھی سراب نہ تھا

فراقؔ یاد کر ایسا بھی کوئی عالمِ عشق
جو ایک شب کا فسانہ نہ تھا جو خواب نہ تھا

ہے ترے کشف و کرامات کی دنیا قائل
تجھ سے اے دل نہ مگر کام ہمارا نکلا

عبرت انگیز ہے کیا اس کی جواں مرگی بھی
ہائے وہ دل جو ہمارا نہ تمہارا نکلا

عشق کی لَو سے فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں
رشکِ خورشیدِ قیامت یہ شرارا نکلا

انگلیاں اُٹھیں فراقِ وطن آوارہ پر
آج جس سمت سے وہ درد کا مارا نکلا

بزم اُلٹ جائے گی ساقی جو ترے ہاتھوں سے
جام رندوں نے چھلک جاتے کہیں دیکھ لیا

تیر آہوں نے وہ مارے ہیں کہ تاثیر کو بھی
کروٹیں لیتے سرِ عرشِ بریں دیکھ لیا

کون ہر سو سرِ شوریدہ لئے پھرتا تھا
اے فراقؔ آج تمہیں گوشہ نشیں دیکھ لیا

پیمانۂ حیات ہے اک جامِ بے خودی
یہ جس کے منہ لگا وہ رہے ہوشیار کیا

کوئی جواب دے تو خطاب و عتاب کر
اِک بے زبان کی سرزنشِ بار بار کیا

رنگینیٔ فضا ہے ترا عشوہ حجاب
ہوتا ہے اور جلوۂ صبح بہار کیا

دردِ فراق وجہ سکوں کب ہوا مگر
اُمید ہی نہ ہو تو رہیں بے قرار کیا

ہستی کے بند بند جُدا ہو کے رہ گئے
دل پر پڑی تری بے قرار کیا

بُجھ بُجھ کے داغِ دل اُبھر آتے ہیں ہم نوا
مجھ قیدیٔ قفس کی خزاں کیا بہار کیا

ذوقِ نظارہ اسی کا ہے جہاں میں تجھ کو
دیکھ کر بھی جو لئے حسرتِ دیدار چلا

اک ادا سے بے نیازِ قرب و دوری کر دیا
ماورائے وصل و ہجراں حسن کا اقرار تھا

مدتیں گذریں فریبِ غم کو بھی کھائے ہوئے
یاد اتنا بھی نہیں جینے سے کیوں بیزار تھا

اُف سکونِ یاس کو بھی ناشکیبا کر دیا
آج کتنا شوخ اِس کا وعدۂ دیدار تھا

شوخیٔ رفتار وجہ ہستیٔ برباد تھی
زندگی کیا تھی غُبار رہگذار یار تھا

اِس حریمِ راز میں چوری نِگاہِ عشق بھی
ہنس رہا تھا حُسن، میں شرمندۂ دیدار تھا

دِل دُکھے روئے ہیں شاید اس جگہ اے کوئے دوست
خاک کا اتنا چمک جانا ذرا دشوار تھا

بے خبری کی دو تصویریں — تیرا تغافل میری محبت

جور کرم سا، لطف ستم سا — ایک معمہ حسن کی فطرت

دلِ سوزاں میں نہ افسردگیٔ یاس آتی
نہ یہ عالم ہی سرِ شمعِ شبستاں ہوتا

زخمِ پنہاں سے اگر اذنِ جنوں پاجاتا
یہی دل رشکِ چمن رشکِ بیاباں ہوتا

پینے والے ہی نہیں ورنہ وہ ساغر چلتے
جن کا ہر دور لئے گردشِ دوراں ہوتا

دلِ مظلوم کی حسرت تو بجا ہے لیکن
جانتا کون جو وہ شوخ پشیماں ہوتا

حسن پھر حسن ہے کچھ پرسشِ غم کی حد بھی
عشق پھر عشق ہے کس بات پہ شاداں ہوتا

اے نرگسِ سیاہ تری وحشتیں بجا
خود مجھ سے اب جنونِ محبّت ہے دُور دُور

کیا بات ہے کہ پرسشِ پیہم کے باوجود
دل سے تری نگاہ مروت سے دُور دُور

دم لے رہی تھیں حسن کی جب سحرکاریاں
اُن وقفہ ہائے کفر کو ایماں بنا دیا

ساقی مجھے بھی یاد ہیں وہ تشنہ کامیاب
جن کو حریفِ ساغر و مینا بنا دیا

اے شوخیٔ نگاہِ کرم مدّتوں کے بعد
خوابِ گرانِ غم سے مجھے کیوں جگا دیا

کچھ شورشیں تغافلِ پنہاں میں تھیں جنہیں
ہنگامہ زارِ حشرِ تمنا بنا دیا

بڑھتا ہی جا رہا ہے جمالِ نظر فریب
حُسنِ نظر کو حُسنِ خود آرا بنا دیا

تھی یوں تو شامِ ہجر مگر پچھلی رات کو
وُہ دردِ اُٹھا فراقؔ کہ میں مسکرا دیا

تمہیں پا کر بھی کیوں رہتی شکایت کس مپرسی کی
مرے تم ہو گئے مجھ کو بھی گر اپنا بنا لیتے

ہر شکوۂ نارَوا کو دیکھا
اے عشق تری وفا کو دیکھا

تقدیر سے اب نہیں شکایت
اے دوست تری جفا کو دیکھا

اے دردِ فراق اے غم دوست
عشقِ صبر آزما کو دیکھا

ہم نے بھی فراقؔ جان دے کے
اس ناوکِ بے خطا کو دیکھا

تاروں کے قلوب جیسے دھڑکیں
رات اس کی ادا ادا کو دیکھا

ہر چیز میں شانِ نیستی ہے
عدم ہستی نما کو دیکھا

اللہ مری شمیمِ جسمِ گلگوں
غش کھاتے ہوئے صبا کو دیکھا

محشر کی بھی راہ دیکھ لیں گے
تجھ سے صبر آزما کو دیکھا

باغ میں بادِ صبا بھیجنے والے ہر صبح
ہم اسیرانِ قفس پر کبھی احسان نہ ہوا

ہم نے دیکھا ہے وہ اندازِ جنوں بھی جو کبھی
چاک دل۔ چاک جگر، چاک گریباں نہ ہوا

رنگ کو حسرتِ پرواز ابھی باقی ہے
عالم نکہت برباد گلستاں نہ ہوا

دار سے اُٹھتا ہے اک نعرۂ مستانہ ہنوز
ہائے وہ درد جو شرمندۂ درماں نہ ہوا

ہاں بجھا دے دلِ سوزاں کو مگر تو جانے
بزم ہستی میں جو یہ سوختہ ساماں نہ ہوا

کہتی ہے وصل کی شب وہ نگہہ خواب آلود
ختم ابھی قصہ بے تابئ ہجراں نہ ہوا

اے دوست محبت کی کچھ پوچھ نہ مجبوری
اک ہجر تری قربت اک ہجر تری دُوری

یہ کہہ کے کل کوئی بے اختیار روتا تھا
وہ اِک نگاہ سہی کیوں کسی کو دیکھا تھا

طنابیں کوچۂ قاتل کی کھنچتی جاتی تھیں
شہیدِ تیغِ ادا میں بھی زور کتنا تھا

چمن میں غنچۂ گل کھلکھلا کے مرجھائے
یہی وہ تھے جنہیں ہنس ہنس کے جان دینا تھا

حیات و مرگ کے کچھ راز کھل گئے ہوں گے
فسانۂ شبِ غم ورنہ دوستو کیا تھا

کون فراقؔ یہ باتیں سمجھے
تو نے یہ چھیڑی کیسی حکایت

ہزار آنکھ چراؤ یہ کوئی طور نہیں
تمہارے سامنے یہ میں ہوں کوئی اور نہیں

پھر بھی تو بے خودانِ غم راز سکوں نہ پا سکے
تُو نے نظر کی لوریاں دے کے سُلا دیا تو کیا

اور اُلجھ کے رہ گیا قصہ حیات و موت کا
زیست کے راز کھولتی بحثِ فنا بقا تو کیا

منزلِ بے خودیٔ عشق موت کو بھی نہ مل سکی
جائے گی اتنی دُور تک عمرِ گریز پا تو کیا

دیکھ فضائیں جاگ اُٹھیں زندگی جگمگا اُٹھی
سازِ جنونِ عاشقی چھیڑتے ہی سو گیا تو کیا

اور اُداس کر دیا رنگِ سکوت ناز نے
وجہ ملال پوچھتی نرگسِ آشنا تو کیا

کسی کے صبر نے بے صبر کر دیا سب کو
فراقؔ نزع میں کروٹ کوئی بدلتا تھا

نہ کوئی وعدہ نہ کوئی یقیں نہ کوئی اُمید
مگر ہمیں تو ترا انتظار کرنا تھا

میکدے میں آج اک دنیا کو اذنِ عام تھا
دورِ جام بے خودی بے گانۂ ایام تھا

رُوح لرزاں ، آنکھ محوِ دید ، دل ناکام تھا
عشق کا آغاز بھی شائستۂ انجام تھا

رفتہ رفتہ عشق کو تصویرِ غم کر ہی دیا
حسن بھی کتنا خرابِ گردشِ ایام تھا

بے خطا تھا حُسن ہر جور و جفا کے بعد بھی
عشق کے سر تا ابد الزام ہی الزام تھا

سود و زیاں کے نقط بھی وہم و گماں ہیں سربسر
حسن بھی پا سکا تو کیا عشق بھی کھو سکا تو کیا

بے کار دو دلوں میں ہے سچ جھوٹ کا سوال
گر ہے کوئی سوال تو عنوانِ شوق کا

کچھ ایسی بات نہ تھی تیرا دور ہوجانا
یہ اور بات کہ رہ رہ کے درد اُٹھتا تھا

نہ پوچھ سود و زیاں کا بارِ الفت کے
وگرنہ یوں تو نہ پانا تھا کچھ نہ کھونا تھا

نہ پوچھ رمز و کنایات چشم ساقی کے
بس ایک حشرِ خموش انجمن میں برپا تھا

چمن چمن تھی گلِ داغ عشق کی ہستی
اسی کی نکہت برباد کل زمانہ تھا

اُمید یاس بنی یاس پھر امید بنی
اِس اک نظر میں فریبِ گناہ کتنا تھا

یہ سوز و ساز نہاں تھا وہ سوز و ساز عیاں
وصال و ہجر میں بس فرق تھا تو اتنا تھا

گدازِ دِل سے حقیقت سرشکِ غم کی نہ پوچھ
ہر ایک قطرہ تھا ایک بحرِ بیکرانِ فراق

سکونِ قرب سے کچھ بے قرار تنگ آکر
سُنا ہے ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اب امانِ فراق

خبر کچھ ان کو نہیں اب ترے تغافل کی
بس آج چین سے سوئے بلاکشانِ فراق

عجب کیا کھوئے کھوئے سے جو رہتے ہیں ترے آگے
ہمارے درمیاں اے دوست لاکھوں خواب حائل ہیں

یہ تیری چارہ سازی سر بسر اعجاز ہے لیکن
وہ دردِ لا دوا ہے جس کے اہلِ شوق گھائل ہیں

فرازِ طُورِ سینا، بُت کدے کعبے کے دروازے
ابھی راہِ محبت میں در و دیوار حائل ہیں

سازِ مجاز کی میں صدائے شکست ہوں
خمیازہ کش ہوں ہستیٔ ناپائدار کا

کوتاہیٔ نصیب جنوں کچھ نہ پوچھئے
ہاتھوں میں آچکا تھا گریباں بہار کا

اِک تیرے دردِ عشق نے بدلے ہیں کتنے بھیس
اچھا بہانہ ہے غمِ روزگار کا

پردے حریمِ ناز کے گرتے چلے فراق
اٹھتا چلا ہے دردِ دلِ بے قرار کا

اس سے قید ہی اچھی تھی کہ چھٹ کے ہر اسیر
لے کے آشفتگیٔ گیسوئے خم دار چلا

لی ہے خود صبح نے انگڑائی خمار آلودہ
رات وہ دَورِ مئے ساغرِ سرشار چلا

قید سے چھٹ کے بھی دل تنگ رہے تیرے اسیر
سوئے صحرا لئے رنجِ درو دیوار چلا

ایک عالم پہ بار ہیں ہم لوگ　　کس کے دل کا غبار ہیں ہم لوگ

صد بقا صد فنا کی ہیں تصویر　　عالمِ انتظار ہیں ہم لوگ

ہم سے شادابیاں حیات کی ہیں　　چشمِ خوں بار بار ہیں ہم لوگ

ہم میں پنہاں رموزِ نشو و نمو　　پردۂ دارِ بہار ہیں ہم لوگ

ہم نے توڑی ہر ایک قیدِ حیات　　کتنے بے اختیار ہیں ہم لوگ

ہم سے چھوٹی شعاعِ صبحِ حیات　　مطلعِ روزگار ہیں ہم لوگ

اثرِ دردِ زندگی سے فراق　　بے خود و بے قرار ہیں ہم لوگ

یعنی صبحِ ازل سے اپنے لئے　　ہم تنِ انتظار ہیں ہم لوگ

کٹ گئی اے بحرِ غم موجوں سے ہنستے کھیلتے
بہتے بہتے دیکھ آخر آ لگے ساحل سے ہم

حسن کے جور و تغافل کا بھی کس کو اعتبار
دل شکستہ ورنہ ہوتے تھے ذرا مشکل سے ہم

تجھ سے حیاتِ عشق نے اُف کیا اثر لیا
ہستی تمام شکر و شکایت ہے اِن دنوں

کیوں داستانِ عمرِ گذشتہ نہ چھیڑیئے
اے دوست زندگی تو مصیبت ہے ان دنوں

بے گانہ وار پڑتی ہے ہر ایک پر نگاہ
بدلی ہوئی اس آنکھ کی نیت ہے ان دنوں

گم گشتگیِ عشق تو خیر اور چیز ہے
کچھ کھوئے رہنے کی مجھے عادت ہے ان دنوں

یوں تھرتھرا رہی ہیں رگیں کائنات کی
گویا قریب روزِ قیامت ہے ان دنوں

دیکھی نہ تھی جنہوں نے کبھی صورتِ اُمید
ان کو بھی تجھ سے چشمِ مروت ہے ان دنوں

دردِ دل کیا ہے کھلا آج ترے لڑنے سے
تجھ سے اتنی تھی محبت مجھے معلوم نہ تھا

سلامت سوزِ پنہاں، کیوں دلوں کی فکر ہے تجھ کو
گداز اکثر یوں ہی یہ آبگینے ہوتے رہتے ہیں

ازل سے کھلتے جاتے ہیں نہاں خانے حقیقت کے
ابد تک عشق کو حاصل دفینے ہوتے رہتے ہیں

یہ برقِ طور کیا، ظلمات کیا، مہرِ قیامت کیا
یہاں دن رات ساقی یہ تماشے ہوتے رہتے ہیں

بہارِ گلستاں کیا؟ غفلتِ رنگین عنا دل کی
کہ نذرِ آتشِ گل آشیانے ہوتے رہتے ہیں

نہ فکرِ بادہ پیمائی، نہ ذوقِ رندی و مستی
یہ کیا کم ہے کہ ساقی سے اشارے ہوتے رہتے ہیں

زمانہ کروٹیں لیتا ہے اس کے ہر اشارے پر
کہ وعدے ہوتے رہتے ہیں بہانے ہوتے رہتے ہیں

یہ نگاہِ غلط انداز بھی اک جادو ہے
دیکھنے والے ترے جی نہ سکیں مر نہ سکیں

کیفِ فنا بھی مجھ میں شانِ بقا بھی مجھ میں
میں کس کی ابتدا ہوں میں کس کی انتہا ہوں

منزل کی یوں تو مجھ کو کوئی خبر نہیں ہے
دل میں کس طرف کو کچھ سوچتا چلا ہوں

لیتی ہیں الٹی سانسیں جب شامِ غم فضائیں
اس دم فنا بقا کی میں نبض دیکھتا ہوں

ہوں وہ شعاعِ فردا جو آنکھ مل رہی ہے
وہ سرمگیں اُفق پر میں تھرتھرا رہا ہوں

جس سے شجر حجر میں اک رُوح دوڑ جائے
وہ سازِ سرمدی میں غزلوں میں چھیڑتا ہوں

میں اے فراقؔ حسن دوشیزۂ ازل کی
معصومیٔ نظر ہوں، میں عشق کی خطا ہوں

تابکے وعدۂ موہوم کی تفصیل فراق
شبِ فرقت کہیں کٹتی ہے ان افسانوں میں

عشق کی ہے خود نمائی عشق کی آشفتگی
روئے تاباں کچھ نہیں زلفِ پریشاں کچھ نہیں

یاد آہی جاتی ہے اکثر دلِ برباد کی
یوں تو سچ ہے چند ذراتِ پریشاں کچھ نہیں

جو نہ ہو جائے وہ کم ہے جو بھی ہو جائے بہت
کارزارِ عشق میں دشوار و آساں کچھ نہیں

کاش اپنے درد سے بیتاب ہوتے اے فراق
دوسرے کے ہاتھوں یہ حالِ پریشاں کچھ نہیں

کہہ دیا تو نے جو معصوم تو معصوم ہیں ہم
کہہ دیا تو نے گنہگار، گنہگار سے ہیں

وہی ہم ہیں وہی تم ہو وہی دل ہے لیکن
کچھ نہ کچھ سب کے بدلتے ہوئے آثار سے ہیں

تیرا وصال بڑی چیز ہے مگر اے دوست
وصال کو مری دنیائے آرزو نہ بنا

جانِ نشاط بھی ہیں خزاں دیدگانِ عشق
کچھ شوخی بہار اُڑائے ہوئے سے ہیں

ہم بدگمانِ عشق بھی کچھ اے سکوتِ ناز
سنتے ہیں تیری باتوں میں آئے ہوئے سے ہیں

وہ طُور ہو کہ حشر دلِ افسردگانِ عشق
ہر انجمن میں آگ لگائے ہوئے سے ہیں

صبحِ ازل کو یونہی ذرا مل گئی تھی آنکھ
وہ آج تک نگاہ چرائے ہوئے سے ہیں

حساس کس قدر ہے محبت کی زندگی
ہم بے خبر ہیں اور انہیں پائے ہوئے سے ہیں

وہ سربسر نہاں، وہ زِ سرتاقدم حجاب
پھر بھی ہر اک نظر میں سمائے ہوئے سے ہیں

ہم بدگمانِ عشق تری بزمِ ناز سے
جاکر بھی تیرے سامنے آئے ہوئے سے ہیں

کچھ ناتمام سے ہیں جو آثارِ نیستی
یہ درد بھی انہیں کے اٹھائے ہوئے سے ہیں

تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو	تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں

تجھ کو پایا بھی تجھ کو کھویا بھی	تجھ کو کیا پایا تجھ کو کیا کھویا

بتا اے عاشقی تجھ کو قسم شام جوانی کی
کسی کے ہجر میں راتوں کو کیوں فریاد کرتے ہیں

قیامت ہے قیامت دیکھنا تجھ کو نظر بھر کے
مگر یہ کام ہم اب ہر چہ بادا باد کرتے ہیں

خدا رکھے دلِ سوزاں چراغ خانہ تھا اکثر
فراقؔ اس درد کی تصویر کو ہم یاد کرتے ہیں

میں بے قرار ہوں تو فضا کیوں اُداس ہے
یہ زندگی ہے موت کی انگڑائیاں نہیں

کیا واقعی فریب ہے اے دل حیاتِ عشق
کیوں مژدۂ وصال سے میں شادماں نہیں

ہمیں مایوسیٔ فرقت میں رو لینے دو جی بھر کے
نہیں ہوتا ہے کچھ رونے سے ہم اتنا سمجھتے ہیں

وہی جو تنگنائے زیست میں کچھ وسعتیں بھی ہیں
انہیں کو اصطلاحِ عشق میں صحرا سمجھتے ہیں

ہمارا حال سننے والے تیرے ضبط کے صدقے
یہ رہ رہ کر ترا ہم مسکرا دینا سمجھتے ہیں

فراق اکثر کوئی ہر ایک سے بیگانہ سا رہتا ہے
بس اتنے پر کسی کو لوگ دیوانہ سمجھتے ہیں

بس اتنے پر ہمیں سب لوگ دیوانہ سمجھتے ہیں
کہ اس دنیا کو ہم اک دوسری دنیا سمجھتے ہیں

کہاں کا وصل تنہائی نے شاید بھیس بدلا ہے
ترے دم بھر کے مل جانے کو ہم بھی کیا سمجھتے ہیں

اکثر راتوں کو یہ کہہ کہہ کر اک دردکا مارا روتا ہے
سچ ہے کہ محبت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی تقصیر نہیں

اے فراقؔ انقلاب عالم گیر وقت کی مصلحت سے دور نہیں

تری جفائیں بھلا دوں تری وفائیں بھی
جو یاد آئے تو اے دوست تو ہی یاد آئے

ہمیں سے پستیاں اُبھریں ہمیں سے رفعتیں چمکیں
نہ پوچھو ہم سے اے ارض و سماں ہم کون ہیں کیا ہیں

جو اُٹھ نہ سکا صبح ازل اپنے سہارے
یہ عشق وہی درد اُٹھانے کے لئے ہے

یونہی سے اس کی مجھے گر خبر ہوئی تو ہوئی کہ دیر دیر تک اب میں اُداس رہتا ہوں

تقریب دید میں غم ہجراں کی شدتیں محسوس ہو رہا ہے وہ آئے ہوئے سے ہیں

دیتی ہے وہ نگاہ اگر درس نیستی ہم بھی متاعِ زیست لٹائے ہوئے سے ہیں

جس کے شعلوں سے تھی کل تک گرمئ بزم حیات
آج اس خاکستر دل سے دھواں اُٹھتا نہیں

کسی کے جور و نوازش میں فرق سہل سا تھا
سمجھ سمجھ کے محبت بھی آج روئی ہے

قافلے یا مٹ گئے یا بڑھ گئے
اب غبارِ راہ بھی اُٹھتا نہیں

تا ابد امروز ہی امروز ہے
عاشقی میں دوش یا فردا نہیں

موت نے بھی جاننا چاہا مگر
زندگانی کا بھرم کھلتا نہیں

ان جفاؤں پر تری اے حسن دوست
کیوں جفاؤں کا گماں ہوتا نہیں

آج آغوش میں تھا اور کوئی
دیر تک ہم تجھے نہ بھول سکے

یہ قرب و بعد بھی ہیں سراسر فریبِ حُسن
وہ آکے بھی فراق نہ آئے ہوئے سے ہیں

شاید ترے غم نے کروٹیں لیں
حیرت زدگانِ عشق چونکے

خراب ہو کے اُٹھا ہوں تری نگاہوں سے
مرا خیال ہے دنیا سنور گئی ہوگی

دل ہے ڈوبا ہوا سا ضبط میں بھی
اشکِ غم کی روانیاں نہ گئیں

تیری نیرنگیٔ طبیعت سے عشق کی سادگی بھی دُور نہیں
اتفاقات ہیں زمانے کے ورنہ کچھ اہلِ غم سے دُور نہیں
حسرتِ مرگِ عشق ہے ان کو جنہیں جینے کا بھی شعور نہیں

کہاں میں آگیا اے زورِ پرواز　　وبالِ بال و پر ہے اور میں ہوں

مبارک یادِ ایامِ اسیری　　غمِ دیوار و در ہے اور میں ہوں

میں بھی کوئی ادا ہوں کیا تیری　　مجھ کو اک حال پر قرار نہیں

کھینچ دیتا جنوں کی اک تصویر　　ہاتھ میں دامنِ بہار نہیں

بے خودی سی ہے بے خودی اے عشق　　مجھ کو اپنا بھی انتظار نہیں

تیرے آنے کی کیا اُمید مگر
کیسے کہہ دوں کہ انتظار نہیں

نہ بے خبر تھے نہ ہشیار تاب تھی نہ قرار
نہ پوچھ عشق کے دن کس طرح گزارے ہیں

تمام قامتِ رنگین ہے خواب کا ہکشاں
یہ پیکرِ عرق آلود کے ستارے ہیں

میں تو میں چونک اُٹھی ہے یہ فضائے خاموش
یہ صدا کب کی سُنی آتی ہے پھر کانوں میں

جان و ایمانِ جنوں سِلسلۂ جنبانِ جنوں
کچھ کششِ ہائے نہاں جذب ہیں ویرانوں میں

خندۂ صبحِ ازل تیرگیٔ شامِ ابد
دونوں عالم ہیں چھلکتے ہوئے پیمانوں میں

دیکھ جب عالمِ ہو کو تو نیا عالم ہے
بستیاں بھی نظر آنے لگیں ویرانوں میں

ایک رنگینیٔ ظاہر ہے گلستاں میں اگر
ایک شادابیٔ پنہاں ہے بیابانوں میں

اب وہ اِک سوزِ نہانی بھی دلوں میں نہ رہا
اب وہ جلوے بھی نہیں عشق کے کاشانوں میں

خوش فہمیاں تمام و غلط فہمیاں تمام
اس عِشق میں ہو کیا کوئی بدنام و نیک نام

رنج و راحت ، وصل و فرقت ہوش و وحشت کیا نہیں
کون کہتا ہے کہ رہنے کی جگہ دُنیا نہیں

لے اُڑی تجھ کو نگاہِ شوق کیا جانے کہاں
تیری صورت پر بھی اب تیرا گماں ہوتا نہیں

دل بھی کہتا ہے ٹھہرنا ہجر میں دشوار ہے
میں بھی کہتا ہوں کہ یہ اندازِ غم اچھا نہیں

ہیں فریب احساسِ پنہاں کے سکون و اضطراب
عشق ہے وہ درد جو گھٹتا نہیں بڑھتا نہیں

اہلِ غم تم کو مُبارک یہ فنا آمادگی
لیکن ایثارِ محبت جان دے دینا نہیں

سرحدِ جذب و اثر سے حُسنِ جاناں دُور ہے
عشق کی دُنیا بھی شاید عشق کی دنیا نہیں

آج رگ رگ میں جان دوڑ گئی
موت نے زندگی کو چھیڑ دیا

بجلیاں ٹوٹ رہی ہیں نگہہ ساقی سے
چشمکیں موجِ مے ساغرِ سرشار سے ہیں

رتیں قید میں گذریں مگر اب تک صیاد
ہم اسیرانِ قفس تازہ گرفتار سے ہیں

سُبک رفتار ہے یوں تو نسیمِ صبح گاہی بھی
مگر ہے اور بات اے دل خرامِ ناز قاتل میں

اشارے پر جنوں کے چل رہے ہیں تیرے زندانی
عجب بے ساختہ پن آج ہے شورِ سلاسل میں

بھلا دیں ایک مدت کی جفائیں اس نے یہ کہہ کر
تجھے اپنا سمجھتے تھے تجھے اپنا سمجھتے ہیں

فراقؔ اس گردشِ ایام سے کب کام نکلا ہے
سحر ہونے کو ہم بھی رات کٹ جانا سمجھتے ہیں

یاد ہیں لب ہائے جاناں کی تبسم ریزیاں
بات وہ تجھ میں بھلا موجِ مے کوثر کہاں

جام دل کی تہہ میں موج خوں سی اُٹھ کر رہ گئی
اپنی قسمت میں کوئی چھلکا ہوا ساغر کہاں

نثارِ نشۂ ہستی یہ بزمِ غم ہے یہاں
بہت سنبھال کے ساغر اُٹھائے جاتے ہیں

غمِ نہاں کے اِشاروں سے تیرے دیوانے
زمین پر نئی دُنیا بسائے جاتے ہیں

کیفیتِ فنا ہوں دنیائے رنگ و بو میں
مے خانۂ عدم میں جامِ جہاں نما ہوں

کیا رات تھی الٰہی آنکھوں میں کٹ گئی جو
پچھلے پہر کی دُنیا حسرت سے دیکھتا ہوں

ہاں اے فراؔق یوں ہی کچھ جی میں آگئی تھی
یہ رازِ دل تھے جن کو باتوں میں کہہ گیا ہوں

آرام سے ہے کون سرِ رہگذارِ عشق
دل کو مگر فریبِ سکوں بھی دیے چلو

یہ بھی ہے ایک رازِ سکوں اضطراب میں
چاکِ جگر کو سوزنِ غم سے سیے چلو

فرصت ضروری کاموں سے پاؤ تو رو بھی لو
اے اہلِ دل یہ کارِ عبث بھی کیے چلو

بادہ کشو اس آنکھ کا بس یہ پیام ہے
دونوں جہاں کی خیر مناتے چلے چلو

یوں بھی سُنا ہے موت کو کرتے ہیں زندگی
جینے کا خیر نام ہے لیکن جیے چلو

شاید یہی حیات کی منزل کا راز ہے
تنہا چلو، جہان کو لیکن لئے چلو

جس کو کہتے ہیں لوگ خوابِ گراں
ہے وہ خمیازۂ جمال ترا

قفس میں آکے رو بیٹھے تھے جب صبحِ گلستاں کو
بہت سمجھا اسیروں نے سکونِ شامِ زنداں کو

بہارِ چند روزہ کو بہارِ جاوداں کر دے
فریبِ رنگ و بو سے کچھ الگ کر لے گلستاں کو

تماشائے چمن، حسنِ چمن، رازِ چمن کیا ہے؟
بہانہ چاہیئے کوئی جنونِ فتنہ ساماں کو

اُمید و یاس کی اے یادِ جاناں حد بھی ہوتی ہے
کوئی آزردہ ہو کر چھوڑ بیٹھا تیرے داماں کو

فریبِ حُسن کھانا بھی نہیں ہر اک کی قسمت میں
کوئی کرتا ہے یاد اب تک کسی کے عہد و پیماں کو

در و دیوارِ زنداں دیکھ کر آنکھیں بھر آئی ہیں
کوئی یاد آگیا ہے نو گرفتارانِ زنداں کو

جیسے نغمے لبِ فراق پہ سوئیں
سیج پر یوں ہی محوِ خواب ہے تو

اگرچہ پھر نہ ملیں گے مگر نہ روک اس وقت
بچھڑ کے تجھ سے تجھے دے سکے گا کون اِلزام

محبت سہل ہے تو کیا ہوا پھر سہل ہونے دے
کبھی کچھ مشکلیں بھی مل رہیں گی عشقِ آساں کو

یہی تو پختہ کارانِ محبّت پر بھی حیرت ہے
سمجھ کر بھی نہیں سمجھے وہ تیرے عہد و پیماں کو

وہیں سے ہیں رگیں وابستہ ہر وحشت بھرے دل کی
جہاں سے جنبشیں ملتی ہیں دامانِ گلستاں کو

ابھی تو کچھ خلش سی ہو رہی ہے چند کانٹوں سے
انہیں تلوؤں میں اک دن جذب کر لوں گا بیاباں کو

عدم کی سرحدوں سے سرحدیں ملتی ہیں ہر جانب
کہاں کی وسعتیں دے دیں بساطِ بزمِ امکاں کو

آئی ہوئی نیند زندگی ہے
پندارِ خودی بھی بے خودی ہے

ہر سانس ہے مرگ ناگہانی
اب اپنی حیات زندگی ہے

دریا بھی ہوں میں سراب بھی ہوں
ساقی یہ کمال تشنگی ہے

اے دردِ فراق اے غمِ یار
بے تاب بھی ہوں میں صبر بھی ہے

چُپ ہو گئے تیرے رونے والے
دنیا کا خیال آگیا ہے

سو درد اک تبسّم پنہاں میں بند ہوں
تصویر ہوں فراقؔ نشاطِ حیات کی

تیری وہی سرگرانیاں ہیں
ہم نے اپنی وفا کو دیکھا

کچھ نہ کچھ عشق کی تاثیر کا اقرار تو ہے
اس کو الزامِ تغافل پہ کچھ انکار تو ہے

سرِ ظلمت کدۂ دہر چراغاں کے لئے
گردشِ جام تو ہے محفلِ سرشار تو ہے

سر پٹکنے کو پٹکتا ہے مگر رُک رُک کر
تیری وحشی کو خیالِ درو دیوار تو ہے

تجھ سے ہمت تو پڑی عشق کو کچھ کہنے کی
خیر شکوہ نہ سہی شکر کا اظہار تو ہے

چونک اٹھے ہیں فراقؔ آتے ہی اس شوخ کے نام
کچھ سراسیمگیٔ عشق کا اِقرار تو ہے

خواب گاہ میں تیری ہم ہیں نیند کے جھونکے
اک سکون بے پایاں ہستی پریشاں ہے

فراقؔ نے تجھے دیکھا تھا اُف کن آنکھوں سے
ہے آج تک وہی حیرت تری تمنا کو

اک رازِ ہستی ہے فرق ہے تو بس اِتنا
حُسن میں وہ پنہاں ہے عشق میں نمایاں ہے

اس کا ملتفت ہونا، اس کا مہرباں ہونا
چاہیے تو مشکل ہے، سوچیے تو آساں ہے

قید کیا رہائی کیا ہے ہمیں میں سب عالم
رُک گئے تو زنداں ہے چل پڑے بیاباں ہے

اے فراقؔ انہیں پا کر ہم یہ دل میں کہتے ہیں
سوچیے تو مشکل ہے، دیکھیے تو آساں ہے

اک وقت ہوگا ہم سے جو دیکھا نہ جائے گا
ہم جانتے ہیں اے شبِ ہجراں سحر تری

یہ سوز و ساز اے غمِ ہستی ترے نثار
تصویر بن کے رہ گئی شمعِ سحر تری

بختِ غمِ ونشاط میں ، بیت گئی شبِ حیات
جاگنے والے سو گئے اصل زندگی تو دیکھ

جیسے پیامِ راز آئیں ، شعلۂ ساز تھرتھرائیں
جیسے سِتارے مِل کے گائیں حُسن کی نغمگی تو دیکھ

یوں تو جمالِ دل فریب شام نہیں سحر نہیں
زلف کی ابتری تو دیکھ رُخ کی شگفتگی تو دیکھ

رُوحِ نوائے سرمدی آج ہے گوش برصدا
بزمِ سکوتِ شام میں حُسن کی نغمگی تو دیکھ

جیسے سکوت و گفتگو مل کے سُنائیں داستاں
نرگسِ نیم وا میں ہے بات یہی ، یہی تو دیکھ

خطاب پھر نہ کیا تیری بے نیازی سے
تھکی تھکی سی وہ عرضِ وفا ہے یاد مجھے

دلِ گم گشتہ کی آتی ہے مجھے یادِ فراق
جب نکلتا ہے بچائے ہوئے داماں کوئی

مدت ہوئی کہ یاد کسی کی بھلا چکے
حرماں نصیب ہجر کے صدمے اٹھا چکے

کب سے لرز رہی ہے فضا کائنات کی
اے حسنِ سرمشار تجھے شرم آ چکے

گذرے گا ہو کے شہرِ خموشاں سے آج کون
سو مرتبہ چراغِ لحد جھلملا چکے

سمجھے ہوئے تھے ہم سفرِ زندگی جنہیں
وہ کاروانِ درد بھی منزل پہ جا چکے

اپنے گھر کا ہر اک راجا
عشق کا گھر پردیس ہے شاید

(۱۶۵)

شعورِ عشق کی تکمیل ہو چکی شاید
نہ بھولتا ہے کوئی اب نہ یاد آتا ہے

جو اضطراب ہے شاید وہی شکیب بھی ہے
ترا یہ درد کبھی تجھ کو یاد آئے گا

بے باک نظر کے ٹھوکوں سے آنکھیں ملتی ہوئی جاگ اُٹھی
او غافل اس ویرانے میں اک درد کی دنیا سوتی تھی

رہتی دنیا کی آوازیں آآ کے جہاں سر پٹک گئیں
وہ گورِ غریباں کی بستی کن گہری نیندوں سوتی تھی

ٹھہری ٹھہری سی موج برق جمال چھلکی چھلکی شراب ناب ہے تو

رُوپ ایسا حسین جیسے گناہ خلق کا حاصل ثواب ہے تو

جو بہاروں کے دل سے اُٹھتے ہیں اِنہیں شعلوں کا پیچ وتاب ہے تو

ہیں عبارت تجھی سے رنج ونشاط ستم ولطف بے حساب ہے تو

جیسے زیرِ شفق چراغاں ہو آج یوں مائل حجاب ہے تو

جن پہ پڑتی نہیں خزاں کی چھاؤں اُن بہاروں کی آب وتاب ہے تو

غور کر اس کیفیت پر کچھ سمجھ یہ سوز و ساز
عشق میں دل درد ہو جاتا ہے دِل دکھتا نہیں

اک اُداسی بھی لئے ہے کیوں نِگاہ نازِ یار
یہ پیامِ زندگی شاید کوئی سُنتا نہیں

میں عدم اندر عدم ہوں میں جہاں اندر جہاں
ایک ہی دنیا ہو میری اے فراق ایسا نہیں

خبر بھی ہے کہ نہیں تیرے نازِ بے جا کو
نیازِ عشق سُنا ہے کہ بے نیاز بھی ہے

حیات ہو کہ اجل سب سے کام لے غافل
کہ مختصر بھی ہے کارِ جہاں دراز بھی ہے

خلوصِ ناز پہ معصومیٔ ادا پہ نہ جا
کہ اس کی فطرتِ سادہ کرشمہ ساز بھی ہے

مزاجِ حُسن کبھی خود شناس ہو نہ سکا
کچھ اختلاطِ نہاں بھی کچھ احتراز بھی ہے

یہ غزنوی کی پریشاں خیالیاں تسلیم
کچھ الجھنوں میں مگر گیسوئے ایاز بھی ہے

لئے ہے عشرتِ نظارہ کیفِ وجدانی
یہ رنگ و بوئے جوانی نوائے راز بھی ہے

چشمِ سیاہ کار دیکھ گردشِ روزگار دیکھ
کیفِ جمالِ یار میں دردِ فراقِ یار دیکھ

نیند سی آ چلی ہے کچھ ہر دلِ بے قرار کو
دیکھ یہ رنگِ بے خودی گیسوئے تابدار دیکھ

نامِ بہار سے خزاں لوٹتی تا بہ کے چمن
آج خزاں کے بھیس میں آئی ہوئی بہار دیکھ

برقِ نوائے راز ہے معنیٔ رنگ و بوئے گل
حسنِ جمالِ یار میں سوزِ فراقِ یار دیکھ

لے کے دلِ نجوم کو ڈوبی ہے نبضِ کائنات
عالمِ صبحِ زندگی رات اگر کٹی تو دیکھ

حسن خود قرب، عشق خود دوری
یہ وصال و فراق دھوکے ہیں

حُسن اک خوابِ نازِ بے حِس کے
چونک پڑنے کو عشق کہتے ہیں

عنایت ہے، توجہ ہے، کرم ہے لطف و احساں ہے
مگر کیا کیجئے تیرے تغافل ہائے پنہاں کو

فریبِ رنگ و بو کھا کر چمن سے ہاتھ دھو بیٹھے
ترے وحشی تو کب کے لے اُڑے ہوتے گلستاں کو

مری جمعیتِ خاطر فراقؔ اب یوں ہی ہوتی ہے
پریشاں اور کر لینا خیالاتِ پریشاں کو

نہ قرب سے اُسے مطلب غرض نہ دُوری سے
کشش کچھ اور ملی ہے تری تمنّا کو

نثارِ شانِ تغافل وہ دردِ فرقت دے
جو خود شناس بنا دے تری تمنّا کو

وہ عشق کی نگہہ اوّلیں نہ پوچھ اے دوست
تڑپ ملی وہ کہاں برقِ طورِ سینا کو

بچھڑ کے تجھ سے کہیں دیکھنا نہ پڑ جائے
وصال ایسوں کا جن کی جُدائی شاق نہیں

رہ رہ کے اب تک آگ لگاتے تھے جو فراق
وہ قطرہ ہائے اشک بھی دریا بہا چکے

اے نرگسِ مخمور ابھی دنیا نہیں بدلی
اک گردشِ مستانہ باندازِ دگر بھی

اس درجہ نہیں بے کسئ شامِ غم اپنی
اُٹھ جاتے ہیں تاروں کے اِدھر دیدۂ تر بھی

جب جب اسے سوچا ہے دل تھام لیا میں نے
انسان کے ہاتھوں سے انسان پہ جو گذری

ساغر ہو کہ نرگس ہو ذرّے ہوں کہ تارے ہوں
ہر آنکھ میں دیکھا ہے اک عالمِ بے خبری

باقی نہیں ہے اب ہمیں برقِ نگاہ یار
اُف دیکھتے ہی دیکھتے ہم کیا سے کیا ہوئے

ہماری مطبوعات

آگ کا دریا	قرۃ العین حیدر
کارِ جہاں دراز ہے	"
فصلِ گل آئی یا اجل آئی	"
کوہِ دماوند	"
گلگشت	"
مضامین رشید	رشید احمد صدیقی
طنزیات و مضحکات	"
آشفتہ بیانی میری	"
بے جان چیزیں	راجندر سنگھ بیدی
ہاتھ ہمارے قلم ہوئے	"
بیدی کے افسانے	"
لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متل
خوشبو کا بدن	عصمت چغتائی
دو ہاتھ	"
پطرس کے مضامین	پطرس بخاری
پطرس کے خطوط	"
تنقیدی مضامین	"
اس نے کہا	خلیل جبران
خدا اور دیوتا	"
زرد پتے	"
جوانی اور محبت	"
مجرم	"
پاگل	"

کرنیں	شفیق الرحمن
تعمیرِ حیات	ڈیل کارنیگی
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ
ایک گدھے کی سرگزشت	کرشن چندر
پھول کی تنہائی	"
محبت کی رات	"
اُلٹا درخت	"
زیرِ لب	صفیہ اختر
حرفِ آشنا	"
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام
ذکرِ غالب	"
نقوشِ زنداں	سجاد ظہیر
آتشِ گل	جگر مرادآبادی
کلیاتِ جگر	"
تلخیاں	ساحر لدھیانوی
کلیات ساحر	"
کلیاتِ شکیل	شکیل بدایونی
ہزار داستان	فراق گورکھپوری
روحِ کائنات	"
گلِ نغمہ	"
رُباعیات عمر خیام	عمر خیام
اُردو کی بہترین غزلیں	مرتبہ پرکاش پنڈت
لذیذ پکوان	شائستہ کوثر